مصباح المجالس

حصّۂ دوم و حصۂ سوم

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ

ناشر

شمیم بک ڈپو۔ ناظم آباد ۲۔ کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

مصباح المجالس

حصہ سوم

فضائل سورۂ فاتحہ

عن ابن عباس انہ قال لکل شئ اساس واساس القرآن الفاتحۃ واساس الفاتحۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا ہر شے کی ایک جڑ ہے اور قرآن کی جڑ سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی جڑ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے

عن النبی انہ قال اذا قال المعلم للصبی بسم اللہ الرحمن الرحیم کتب اللہ براءۃ للصبی وبراءۃ لابویہ وبراءۃ للمعلم۔ یعنی حضرت رسولخدا نے فرمایا جب کوئی معلم کسی بچہ سے بسم اللہ کہلواتا ہے تو خدا بچہ کو بھی گناہوں سے بری کرتا ہے اور اس کے ماں باپ اور معلم کو بھی۔

عن ابن مسعود قال من اراد ان ینجیہ اللہ من الزبانیۃ تسعۃ عشر فلیقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم فانھا تسعۃ عشر حرفا لیجعل اللہ کل حرف جنۃ من واحد منھم۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا جو شخص جہنم کے انیس شعلوں سے نجات پانی چاہتا ہے اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنی چاہیے۔ اس کے انیس حرف ہیں ہر حرف ایک شعلہ کی سپر بن جائے گا۔

عن ابن عباس انہ سئل امیر المومنین عن تفسیر القرآن فقال اول القرآن الفاتحۃ واول الفاتحۃ بسم اللہ واول بسم اللہ بسم واول بسم الباء فجعل یتکلم فی الباء طول اللیل فلما قرب الفجر فقال لو زاد اللیل لزدنا ثم قال لو شئت لاوقرت سبعین بعیرا من تفسیر فاتحۃ الکتاب۔ ابن عباس سے منقول ہے میں نے جناب امیر علیہ السلام سے تفسیر قرآن کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اول قرآن سورۂ فاتحہ ہے اور اول فاتحہ بسم اللہ اور اول بسم اللہ بسم اور اول بسم با ہے۔ پھر حضرت نے تمام رات سورۂ فاتحہ کی تفسیر بیان کی۔

عن ابو محمد حسن بن علی العسکری انہ قال علامات المومن خمس صلوۃ احدی وخمسین وزیارۃ الاربعین والتختم

فی الیمین و تعفیر الجبینین والجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا مومن کی علامتیں پانچ ہیں اکیاون رکعت نماز پڑھنا (واجب یومیہ ۱۷ رکعت نافلہ یومیہ ۳۴ رکعت۔ نماز شب ۱۱ رکعت) اور زیارت اربعین پڑھنا داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا خاک پر ماتھا رگڑنا اور با آواز بلند بسم اللہ پڑھنا۔

جناب امیر علیہ السلام کے حیرت انگیز تین قضیوں کے فیصلے

(۱) دو شخص ایک دکان پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ایک نے پانچ درہم کی پانچ روٹیاں لیں اور دوسرے نے تین درہم کی تین۔ اتفاقاً ایک تیسرا شخص آیا ان دونوں نے اپنا کھانا یکجا کر کے اس تیسرے کو شامل کر لیا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو شخص ثالث نے آٹھ درہم نکال کر رکھ دیئے کہ تم آپس میں تقسیم کر لو۔ ایک نے ان میں سے کہا میں پانچ درہم لوں گا۔ دوسرے نے کہا نہیں یہ تو برابر تقسیم ہوں گے غرضکہ آپس میں نزاع ہوا اور یہ قضیہ امیر المومنین کے پاس آیا آپ نے تین روٹیوں والے سے فرمایا تو تین درہم لے لے اس میں تیرا فائدہ ہے۔ جب وہ نہ مانا تو آپ نے فرمایا اچھا کل روٹیاں کتنی تھیں۔ اس نے کہا آٹھ فرمایا ہر ایک روٹی کے تین تین ٹکڑے کرو تو چوبیس ٹکڑے ہوتے ہیں تم میں سے ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے اس نے کہا بیشک فرمایا اچھا تیری تین روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے۔ ان میں سے تو نے آٹھ کھائے صرف ایک ٹکڑا باقی رہا اور جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس کے پندرہ ٹکڑے ہوئے اس نے آٹھ کھائے سات باقی رہے۔ پس ایک ٹکڑے کے عوض ایک درہم تو لے اور سات دوسرے کو دے۔ یہ سنکر اس نے کہا اے امیر المومنین مجھے آپ کا پہلا ہی فیصلہ منظور ہے۔

(۲) امیر المومنین علیہ السلام کہیں کو جا رہے تھے ایک پیر رکاب میں رکھ چکے تھے کہ ایک عورت نے از روئے داد خواہی کہا یا علی میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مر گیا اور لوگوں نے مجھ کو صرف ایک دینار دیا۔ لہٰذا میرا فیصلہ کر دیجئے۔ فرمایا شاید تیرے بھائی نے ایک زوجہ، ماں، دو لڑکیاں، بارہ بھائی اور ایک تجھ کو چھوڑا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو میراث تجھ کو ٹھیک ملی۔ یہ کہکر حضرت سوار ہو گئے تمام صحابہ نے دقت فہم اور سرعت جواب پر تعجب کیا۔

توضیح۔ دو لڑکیاں بحصہ دو ثلث ۴۰۰ دینار۔ ماں بحصہ سدس ۱۰۰ دینار۔ زوجہ بحصہ ثمن ۷۵ دینار۔ بارہ بھائی ۲۴ دینار۔ ایک بہن ایک دینار۔ اس مسئلہ میں شاید یہ خیال ہو کہ ہوتے ماں اور لڑکیوں کے بھائیوں کو کیوں حصہ ملا تو یہ تقسیم گو ہمارے نزدیک صحیح نہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک صحیح تھی جن کا فیصلہ کیا تھا۔

(۳) دو عورتوں کے ایک ہی گھر اور ایک ہی وقت میں دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک کے یہاں لڑکی دوسری کے یہاں لڑکا۔ لڑکی والی نے یہ چالاکی کی کہ لڑکا خود لے لیا اور لڑکی اسے دیدی اور ظاہر کیا کہ پیدائش یوں ہی ہوئی ہے۔ یہ قضیہ حضرت عمر کے سامنے پیش ہوا ان کی سمجھ میں کیا آتا تھا حسب عادت جناب امیر علیہ السلام کو بلا کر پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ دو ہموزن شیشیوں میں دونوں عورتوں کا دودھ نکلوا کر تول لو جس کا دودھ بھاری ہو اس کا لڑکا ہے۔ پوچھا یہ حکم کہاں سے لیا۔ فرمایا قرآن سے وللذکر مثل حظ الانثیین مرد کا عورت سے دونا حصہ ہے۔

محبّت کی تعریف اور مراتب

الحبۃ ھو ایثار المحبوب علی سائر المصحوب ومحو المحب بصفاتہ وایثار المحبوب بذاتہ محبت یہ ہے کہ ہر شے پر محبوب کو ترجیح دی جائے اور عاشق اس کی صفات میں محو ہو جائے اور اپنی ذات پر اس کو ترجیح دینے لگے۔ مراتب محبت پانچ ہیں۔

(۱) استحسان۔ یعنی عاشق کی نظر میں معشوق کی ہر بات بھلی معلوم ہو اور اس کا ہر ذکر کانوں کو لذت دے عاشق کا خیال ہر وقت اسی کی طرف رہے۔

(۲) مودّت۔ محبوب کے ساتھ الفت روحانی رکھنا اور اس کے تمام اقوال وافعال کو بنظر محبت دیکھنا۔

(۳) خلت۔ محبت محبوب کا دل کے ہر رگ و ریشہ میں جگہ پا جانا اور اس کے کمالات کا دل پر ظاہر ہونا۔

(۴) عشق۔ محبت کا اس حد تک بڑھ جانا کہ عاشق کا کوئی وقت خیال محبوب اور اس کے ذکر سے خالی نہ رہے اور اس کی صورت اس کے دل و دماغ سے غائب نہ ہو۔ اس حالت میں عاشق کا نفس قوت نفسانی اور شہوانی کی خدمات سے بے پروا ہو جاتا ہے اور عدم خواہش کی بنا پر خواب و خور سے باز رہتا ہے۔

(۵) ولہ۔ قلب عاشق میں سوائے صورت معشوق کوئی صورت آتی ہی نہیں اور اس کے سوا اور کسی سے راضی نہیں ہوتا۔

امیر المومنینؑ کی دنیا سے نفرت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے یا دنیا یا دنیا الیک عنی ابی تعرضت ام الی تشوقت ھیھات ھیھات لاحان حینک غری غیری لا حاجۃ لی فیک۔ اے دنیا مجھ سے دور ہو کیا تو میری طرف آ رہی ہے؟ کیا تو میری شائق بن رہی ہے! افسوس افسوس۔ میرے پاس تیرے آنے کا موقع نہیں تو میرے غیر کو دھوکہ دے مجھے تیری ضرورت نہیں۔

شافعی کے اشعار

ان کان رفضا حب آل محمدٍ — فلیشھد الثقلان انی رافضی

اگر محبت آل محمد کا نام رفض ہے — تو میں دو جہان کو گواہ کرتا ہوں کہ میں رافضی ہوں

العلم والتوحید فی جانبٍ — وحب اھل البیت فی جانبٍ

علم اور توحید ایک طرف — اور محبت اہل بیت ایک طرف

علیؑ کی تعریف زبان رسولؐ سے

انہ قائد البررۃ وقاتل الکفرۃ منصور من نصرہ مخذول من خذلہ علی نیکوں کا پیشرو ہے۔ علی کافروں کا قاتل ہے جس

نے ان کی مدد کی وہ منصور ہوا جس نے ان کو ذلیل کیا وہ خود ذلیل ہوا۔

قصیدہ حسّان در غدیر خم

یُنَادِیْهِمْ یَوْمَ الْغَدِیْرِ نَبِیُّهُمْ — بِخُمٍّ وَاَسْمِعْ بِالرَّسُوْلِ مُنَادِیًا

یوم غدیر نبی نے لوگوں کو ندا دی — مقام خم میں اور میں نے نبی کی آواز کو سنا

فَقَالَ فَمَنْ مَوْلَاکُمْ وَوَلِیُّکُمْ — فَقَالُوْا وَلَمْ یَبْدُوْا هُنَاکَ التَّعَادِیَا

فرمایا بتاؤ تمہارا مولا اور ولی کون ہے — انہوں نے بدون کسی کی مخالفت کے کہا

اِلٰهُکَ مَوْلَانَا وَاَنْتَ وَلِیُّنَا — وَلَنْ تَجِدَنْ مِنَّا لَکَ الْیَوْمَ عَاصِیًا

اللہ ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں — اور آج آپ ہم میں سے کسی کو نافرمان نہ پائیں گے

فَقَالَ لَهٗ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّنِیْ — رَضِیْتُکَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَامًا وَّهَادِیًا

فرمایا اے علی کھڑے ہو جاؤ کہ میں نے — اپنے بعد تم کو امام و ہادی منتخب کیا

هُنَاکَ دَعَا اَللّٰهُمَّ وَالِ وَلِیَّهٗ — وَکُنْ لِلَّذِیْ عَادٰی عَلِیًّا مُعَادِیًا

پھر دعا کی یا اللہ اس کے دوست کو دوست رکھ — اور جو اس کا دشمن ہو اس کو دشمن رکھ

شافعی کے اشعار

شاہ صاحب دہلوی نے امام شافعی کے یہ اشعار تحفہ اثنا عشریہ میں نقل کئے ہیں

یَا رَبِّ بِالْقَدَمِ الَّتِیْ اَوْطَاتَهَا — مِنْ قَابِ قَوْسَیْنِ الْمَحَلَّ الْاَعْظَمَا

یارب اُس قدم کی قسم جو گیا — قاب قوسین جیسے قابل عظمت مقام پر

وَبِحُرْمَةِ الْقَدَمِ الَّتِیْ جُعِلَتْ لَهٗ — کَتِفُ الْمُؤَیَّدِ بِالرِّسَالَةِ سُلَّمَا

اور اس قدم کی حرمت کی قسم جس کو — تو نے رسول کے شانہ پر قرار دیا

ثَبِّتْ عَلٰی مَتْنِ الصِّرَاطِ تَکَرُّمًا — قَدَمِیْ وَکُنْ لِیْ مُحْسِنًا وَّمُکْرِمًا

میرے قدم کو پل صراط پر عزت سے قائم — رکھ اور تو میرا محسن اور مکرم بن

خلافت علی پر استدلال

خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (ہم نے تمہاری طرف ایک

اپنے ایذا رسانی الگ کی۔

سخاوتِ جناب امیرؑ

معاویہ کہا کرتا تھا لَو مَلَکَ عَلِیٌّ بَیتاً مِن تِبرٍ وَ بَیتاً مِن تِبنٍ لَأَنفَدَ تِبرَہٗ قَبلَ تِبنِہٖ۔ اگر علی ایک سونے کے گھر کے مالک ہوں اور ایک بھوسے کے گھر کے تو ان کی سخاوت کے ہاتھوں سونے کا گھر بھوسے سے پہلے ختم ہو جائے گا۔

حضرت فاطمہ کے فضائل

صواعق محرقہ میں ابوالقاسم دمشقی سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا سے دریافت کیا گیا کہ فاطمہ نام کس وجہ سے رکھا گیا فرمایا اِنَّ اللہَ فَطَمَہَا وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنَ النَّارِ اللہ نے اس کو اور اس کی ذریت کو نارِ دوزخ سے نجات دی ہے۔

اور نسائی سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اِبنَتِی فَاطِمَۃُ حَورَاءُ اٰدَمِیَّۃٌ لَم تَحِض وَلَم تَطمَث اِنَّمَا سَمَّاہَا فَاطِمَۃَ لِاَنَّ اللہَ فَطَمَہَا وَ مُحِبِّیہَا عَنِ النَّارِ میری بیٹی فاطمہ ایسی حور ہے نہ اسے حیض آتا ہے نہ نفاس۔ اس کا نام فاطمہ اس لئے ہے کہ خدا نے اس کو اور اس کے دوستوں کو آتشِ جہنم سے نجات دی ہے۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا اِنَّ فَاطِمَۃَ اَحصَنَت فَرجَہَا فَحَرَّمَہَا اللہُ وَ ذُرِّیَّتَہَا عَلَی النَّارِ فاطمہ نے پاکدامنی اختیار کی پس اللہ نے اس پر اور اس کی ذریت پر آتشِ دوزخ کو حرام کیا۔

اور یہ بھی فرمایا فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنِّی یُغضِبُنِی مَن یُغضِبُہَا وَ یَبسُطُنِی مَن یَبسُطُہَا وَ اِنَّ الاَنسَابَ تَنقَطِعُ یَومَ القِیَامَۃِ غَیرَ نَسَبِی وَ سَبَبِی وَ صِہرِی۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھ کو غضبناک کیا اور جس نے اس کو خوش کیا اس نے مجھ کو خوش کیا۔ قیامت کے دن تمام نسب قطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب و سبب دامادی کے۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ روزِ قیامت ایک منادی ندا کرے گا یَا اَہلَ الجَمعِ نَکِّسُوا رُؤُسَکُم وَ غُضُّوا اَبصَارَکُم حَتّٰی تَمُرَّ فَاطِمَۃُ بِنتُ مُحَمَّدٍ عَلَی الصِّرَاطِ فَتَمُرُّ مَعَ سَبعِینَ اَلفَ جَارِیَۃٍ مَعَ الحُورِ العِینِ کَمَرِّ البَرقِ۔ اے اہلِ محشر اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھوں کو بند کر لو تاکہ فاطمہ بنتِ محمد صراط پر سے گزر جائے۔ پس آپ مع ستر ہزار حوروں کے اس تیزی سے گزر جائیں گی جیسے بجلی چمکتی ہے۔

احد کے فراری کا پہاڑ پر چڑھنا

پ ۴ ع ۵۔ اِذ تُصعِدُونَ وَلَا تَلوُونَ عَلٰی اَحَدٍ وَالرَّسُولُ یَدعُوکُم فِی اُخرَاکُم وہ وقت یاد کرو جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور منہ پھیر کر بھی کسی کی طرف نہ دیکھتے تھے اور رسول تم کو پیچھے سے پکار رہے تھے۔ یہ ہے اسلام کے نامور ہیرو کی وہ تعریف جو جلا پھونکنے کے قابل ہے۔

قرآن میں ایک ظالم کا ذکر

پارہ ۱۹- وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ قیامت کے دن ایک ظالم ہاتھ کاٹ کاٹ کر کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ خدائی راستہ اختیار کرتا۔ کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا جس نے مجھے ذکر سے اس کے بعد کہ وہ میرے پاس آ چکا تھا گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو ذلیل کرنے والا ہے ہی اور رسول کہیں گے یا رب اس میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے یا بکواس بتایا ہے۔

آیت کا مضمون آپ کے سامنے ہے آپ مصداق خود معلوم کر لیجئے۔ کون وہ ظالم ہے جو کسی شیطان کے بہکانے میں آ کر رسول کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹ گیا تھا اور وہ کون تھا جو قرآن کو مہجور کہنے کا مصداق بنا اور قرآنِ ناطق کو چھوڑ دیا تھا۔

اسلام علیؑ کی تلوار سے قائم ہوا

حسن بصری کا قول ہے اِسْتَوَی الْاِسْلَامُ بِسَیْفِ عَلِیٍّ

اشعار امام حسینؑ روز عاشور

شِیْعَتِیْ مَا اِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَاذْکُرُوْنِیْ — اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْ شَہِیْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ

اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے یاد کرنا — اور جب کسی غریب یا شہید کا حال سنو تو مجھ پر رونا

وَاَنَا الَّذِیْ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِیْ — وَبِجُرْدِ الْخَیْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمْدًا سَحَقُوْنِیْ

میں وہ ہوں کہ بے جرم و قصور مجھے قتل کیا — اور قتل کے بعد قصداً مجھے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلا

لَیْتَکُمْ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرٍ جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِیْ — کَیْفَ اَسْتَسْقِیْ لِطِفْلِیْ فَاَبَوْا اَنْ یَرْحَمُوْنِیْ

کاش روزِ عاشور تم سب مجھے دیکھتے — کہ میں اپنے بچہ کیلئے کیونکر پانی مانگتا تھا لیکن انکو رحم نہ آیا

وَسَقَوْہُ سَہْمَ بَغْیٍ عِوَضَ الْمَاءِ الْمَعِیْنِ — بِالرَّزِءِ وَمُصَابٍ ھَدَّ اَرْکَانَ الْحَجُوْنِ

انہوں نے میرے بچہ کو بجائے پانی کے تیر سے سیراب کیا — یہ وہ مصیبتیں تھیں جن سے ارکانِ ہدایت گر گئے

وَیْلَھُمْ قَدْ جَرَحُوْا قَلْبَ رَسُوْلِ الثَّقَلَیْنِ — فَالْعَنُوْھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ شِیْعَتِیْ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ

افسوس انہوں نے قلب رسول کو مجروح کر دیا۔ پس میرے شیعو! جہاں تک ممکن ہو ہر وقت ان پر لعنت کرو۔

دعوت حسینی

روز عاشور امام حسین نے اپنی حکمت علمی اور عملی دونوں سے دعوت ایمانی دی نہ کہ دعوتِ اسلامی۔ پیغمبر دعوت اسلام دیتے تھے
اور جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا داخل اسلام ہوجاتا اور جان و مال اس کا محفوظ ہوجاتا خواہ اس کے دل میں ایمان مستحکم ہوتا یا نہ ہوتا لیکن پیر ابتدائی
دعوت تھی لہذا اکثر اصحاب پیغمبر باوجود وعدۂ نصرت لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے لیکن امام علیہ السلام جس کو دعوت دیتے تھے وہ دعوت
کی دعوت دیتے تھے کہ جس کو قتل ہونا ہے میرے ساتھ آئے۔ چنانچہ حضرت کے ساتھ وہی ہوئے جن کا ایمان درجۂ کمال تک پہنچا ہوا تھا

امامت کی قسمیں

امامت کی دو قسمیں ہیں امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ۔ امامتِ صغریٰ وہ ہیں امام جمعہ و جماعت اور امام فتویٰ۔ حشر و نشر
کا تعلق امام فتویٰ سے ہے نہ کہ امام جماعت سے اور صاحبِ امامتِ کبریٰ امام مفترض الطاعۃ ہے یہی امام اصل اور امام عدل
ہے۔ اسی امام کا پہچاننا ہر شخص پر فرض ہے ورنہ تمام اعمال خیر ضائع جائیں گے بلکہ اس کے لئے ایک درجہ دوزخ کا کھولا جائے
چنانچہ فرماتا ہے عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً یعنی بعض نفوس ایسے ہیں جو بڑی محنت و مشقت سے اعمال بجالاتے ہیں۔ مگر
وہی اعمال ان کے لئے آتش جہنم بن جاتے ہیں۔

امام حق و باطل

خدا قرآن میں دو قسم کے اماموں کا ذکر فرماتا ہے ایک وہ امام جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں یعنی خلافِ حکم
خدا جو چاہتے ہیں لوگوں سے کہہ دیتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ہم نے اُن کو ایسا امام بنایا جو
کی طرف بلاتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو ہدایت کرتے ہیں اور ہر وقت مشیتِ الٰہی کے تابع ہیں وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ
بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ہم نے ان کو امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں جبکہ صبر ان سے ثابت ہوا۔ دوسرے مقام پر فرماتا
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَوٰةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔
نے ان کو امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور
ہماری عبادت کرنے والے ہیں۔

فرق قرآن و کتاب

آیہ کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

فیما اختلفوا فیہ (لوگ ایک گروہ تھے پس اللہ نے انبیاء کو مبشرین و منذرین بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب کو نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کو دور کر دیں) یہ آیت بتلا رہی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ایک کتاب نازل ہوتی ہے اور وجود بھی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے پس اس کتاب سے مراد کتاب تنزیلی نہیں بلکہ یہ کتاب وجودی ہے۔

کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں قرآن قرارت سے ہے یعنی مَقرُوء (جو کچھ زبان نبی نے قرارت فرمایا) اور کتاب نفس وجود پیغمبر ہے چنانچہ آیہ اِنَّہٗ لَقُرآنٌ کَرِیمٌ فِی کِتَابٍ مَّکنُونٍ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَھَّرُونَ (وہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے جس سے تعلق نہیں رکھتے مگر پاک و پاکیزہ لوگ) اس کی تشریح کرتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن جو تم قرارت کرتے ہو کتاب مکنون میں ہے اس کتاب کو سوائے مطہر و معصوم دوسرا مس نہیں کر سکتا اور اس سے زیادہ توضیح اس آیت میں ہے۔ مَا کَانَ ھٰذَا القُرآنُ اَن یُّفتَرٰی مِن دُونِ اللّٰہِ وَلٰکِن تَصدِیقَ الَّذِی بَینَ یَدَیہِ وَتَفصِیلَ الکِتَابِ لَا رَیبَ فِیہِ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو بلکہ یہ مصدق ہے کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اس کتاب وجودی پیغمبر کی جو شہر علم الٰہی ہیں اور اس کتاب کے مس کرنے والوں کی شان میں فرماتا ہے اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطھِیرًا۔

اُولی الامر

تقسیم آیات کے تین درجے ہیں ایک جگہ فرماتا ہے تمام آیات مفصل و محکم ہیں کِتَابٌ اُحکِمَت اٰیَاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَت دوسری جگہ فرماتا ہے تمام متشابہ ہیں نَزَّلَ عَلَیکَ اَحسَنَ الحَدِیثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تیسری جگہ فرماتا ہے بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ ھُوَ الَّذِیٓ اَنزَلَ عَلَیکَ الکِتَابَ مِنہُ اٰیَاتٌ مُّحکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ۔ پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہے کہ ان کی تاویل سوائے اللہ اور راسخون فی العلم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام قرآن فہمی کا دعویٰ سوائے اس کے جو معلم بتعلیم الٰہی ہو اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ تمام قرآن کو وہ جانتا ہے جس کے لئے تمام قرآن آیات محکمات ہے اور کوئی متشابہ نہیں۔ اگر انسان محکم و متشابہ کے معنی جانتا ہو تو بعد غور و تامل کے سمجھ سکتا ہے کہ مطلب ان آیات کا کیا ہے۔ دیکھئے منجملہ آیات محکمات آیہ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم ہے مگر مفسرین میں اولوالامر کے مصداق کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں۔ حالانکہ نفس مفہوم اولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے کہ اولی الامر وہ صاحب حکم و امر ہیں جن کا امر ہر شئے میں جاری ہے جو ان کے حکم سے پھرا وہ خدا اور رسول کے حکم سے پھرا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا حضرت رسول اللہ نے اس کو پکارا اس نے جواب نہ دیا۔ بعد فراغت نماز جب وہ حضرت کی خدمت میں آیا تو آپ نے پوچھا جواب کیوں نہ دیا اس نے کہا میں نماز میں تھا۔ حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِستَجِیبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُم جب اللہ اور رسول پکاریں تو جواب دو۔ دوسری جگہ فرماتا ہے مَا کَانَ لِاَھلِ المَدِینَۃِ وَمَن حَولَھُم مِّنَ الاَعرَابِ اَن یَّتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللّٰہِ وَلَا یَرغَبُوا بِاَنفُسِھِم عَن نَّفسِہٖ۔ (اہل مدینہ کے لئے اور ان عربوں کے لئے جو اس کے گرد بستے ہیں یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ کی مخالفت کریں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے نفوس نفس رسول سے نفرت کریں) اس آیت میں تخلف سے مراد جہاد سے باز رہنا نہیں ہے بلکہ تخلف امری مراد ہے یعنی یہ جائز نہیں کہ

حکم پیغمبر کے خلاف کریں بلکہ فوراً بجالائیں خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں اور کسی قسم کا امر ہو۔ پس بعد پیغمبر اولی الامر وہ ہے جس کا حکم حکم پیغمبر کی طرح واجب العمل ہو اور ہر زمانہ میں جاری و ساری۔ اسی کے ساتھ ان کا حشر ہوگا۔ جو اس کے ساتھ ہے وہ ناجی ہے۔ آیۂ یوم ندعوا کل اناس بامامھم اس پر دال ہے کہ اولی الامر بعد رسول امام ہے۔ قرآن مجید میں پیغمبر کے دس نام خاص ہیں اور امام کے بھی دس رسول پیغمبر کے لئے مخصوص ہے اور اولی الامر امام کے لئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں۔ ایک پیغمبر ہے اور ایک نفس پیغمبر جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے۔ پس یہاں من نفسہ سے مراد اگر ذات پیغمبر ہوتی تو عنہ ہونا چاہیئے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح پیغمبر سے تخلف و اعراض جائز نہیں اسی طرح نفسِ رسول سے بھی جائز نہیں۔

افضلیتِ خاتم الانبیا

مرجع تمام پیغمبروں کے پیغمبر آخر لقب نبی مطلق ہیں اور بعد ازاں جملہ انبیاء فرداً فرداً مرجع امت ہیں آیت ذیل اس پر دال ہے۔ کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا ہم اس روز ہر امت کو اس کے گواہ کے ساتھ لائیں گے اور ان سب پر اے رسول تجھ کو گواہ بنائیں گے۔ ہر ایک امت کا شہید یا گواہ اس کا پیغمبر ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے قول سے ظاہر ہے وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم۔ میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں موجود تھا۔ اس آیت سے دو باتیں ثابت ہیں اول یہ کہ جناب عیسیٰ اپنی امت پر شہید تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ شہید مطلق نہیں بلکہ صرف اپنی امت کے لئے اور اس وقت تک جب تک ان میں تھے۔ لیکن ہمارے پیغمبر تمام انبیاء پر شہید ہیں اور خداوند عالم تمام مخلوقات و مکونات پر شہید ہے ان اللہ علی کل شئ شھید۔

فرق شاہد و شہید

شہید خواہ حاضر ہو یا غائب ان لوگوں پر شہید ہے جس پر اس کو شہید قرار دیا گیا ہے اور وہ ان پر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے اور شاہد وہ جو بذریعہ علم شہادت دے سکے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو خواہ بالاخبار چونکہ نبوت نبی روح قدس نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے بلکہ حقیقت نبی وہ روح ہی ہے لہذا وہ ہمیشہ شہید ہے خواہ اس کا ظہور صورتِ جسمانی میں ہو یا نہ ہو۔

جناب امیر مجسم ایمان ہیں اور ان کے دشمن مجسم کفر و فسوق و عصیان

سورۃ الحجرات۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب قرار دیا اور تمہارے قلوب کو اس سے زینت دی اور کفر و فسوق و عصیان کو تمہارے لئے مکروہ قرار دیا۔ کیا یہی لوگ راشدون کہلاتے ہیں، تمام شیعی تفاسیر میں ہے کہ ایمان سے مراد حضرت علی ہیں۔ باقی کا مصداق آپ خود معلوم کر لیجئے۔

کلامِ اللہ میں کتاب کے چند معنی

کلام اللہ میں کتاب کے چند معنی ذکر کئے گئے ہیں۔ اول کتاب مکتوب یعنی خطوط و نقوش وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ دوسرے کتاب ملفوظ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ تیسرے کتاب ذہنی یعنی معنی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلول لہ بالالفاظ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ یعنی بعض ان میں سے امّی ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو مگر آرزوئیں یعنی جو خواہش طبع ہوتی ہے وہی معنی مراد لے لیتے ہیں۔ چہارم کتاب حقیقی جو قلوبِ انبیاء پر نازل ہوتی ہے جیسے قول حضرت عیسیٰ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ پس وہ ایک حقیقتِ نورانیہ علمیہ ہے اور وہی ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ہے اور قرآن اسی کی صورت مقروّہ ہے إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ پس بعد پیغمبر وہ نفوس صاحبانِ کتاب ہیں جو نفسِ رسول ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد نوری اور روحانی رکھتے ہیں اور قرآن ان کے وجود میں ہے بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

شہید ہر شخص کے اعمال کو دیکھتا ہے

قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ الآیہ اے رسول کہدو تم جو عمل چاہو کرو پس اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور کچھ خاص مومنین۔ اس آیت میں رویت خدا و رسول و مومنین کو سلسلہ وار ذکر کیا گیا ہے لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں۔ نحوئیں کہتے ہیں کہ "س" استقبال کے لئے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا و رسول و مومنین اعمال کو دیکھیں گے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اگر "س" استقبال کے لئے لیا جائے تو کفر محض ہے کیونکہ لازم آتا ہے کہ خدا اس وقت ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر رہتا ہے اور یہ محال ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ حروف ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے بلکہ کلام خدا میں تمنی و ترجی و تاکید وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ پس یہاں رویت دینا ہی مراد ہے اور مومنوں سے مراد وہی شہید یعنی امام ہے خدا بالذات شہید علی الخلق ہے اور پیغمبر و امام بالعرض ان کے اندر ایک قوتِ نورانی ایسی ہوتی ہے کہ ہر شے کو دیکھ لیتے ہیں۔

رسولؐ کے ہر حصۂ جسم میں بینائی ہے

رسول نور علیٰ نور ہیں اُن کا سارا جسم حسِ جلیدیہ ہے یعنی تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے جو آنکھ کے اندر پردۂ جلیدیہ میں ہے وہ تمام جسم سے جلیدیہ کا کام لیتے ہیں بلکہ حسِ نورانی نبوی ہمارے پردۂ جلیدیہ سے کہیں افضل و اکمل ہے کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شے حائل ہو جائے تو وہ نہیں دیکھ سکتی بخلاف پیغمبر کے کہ ان کے لئے کوئی شے حاجب و مانع نہیں چنانچہ حدیث بخاری ہے کہ آنحضرت نے فرمایا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ وَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَاكُمْ مِنْ قُدَّامِي اپنی صفوں کو سیدھا کرو

اور مجھ سے پہلے رکوع میں نہ جایا کرو کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے

شہید داخلی وخارجی

ہر انسان دو گواہ رکھتا ہے ایک داخلی اور ایک خارجی۔ شہید بیرونی امام ہے اور شہید داخلی کے متعلق اس آیت میں ذکر ہے۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر میں انسان کے کان اور آنکھیں اور جلد بدن اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ دوسری آیت اسی مضمون کی یہ ہے۔ قَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ یعنی لوگ اپنے کان آنکھ اور جلد سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ان کا جواب ہوگا ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا ہے جس نے ہر شئے کو گویا کر دیا ہے اور وہی ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔

رسول ص کا کام خدا کا کام ہے

مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ اے رسول تم نے شب ہجرت کفار کی طرف جو خاک پھینکی تھی وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ اے رسول جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر تھا۔

امام رضا علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کیا مطلب ہے اس حدیث کا انّ ثواب لا الٰہ الّا اللہ النظر الیٰ وجہ اللہ تعالےٰ فرمایا من وصف اللہ بوجہ کالوجوہ فقد کفر ولکنّ وجہ اللہ تعالےٰ انبیاوٗہ ورسلہٗ وحججہٗ فالنظر الیٰ انبیاء اللہ تعالےٰ ورسلہ وحججہ فی درجاتہم ثوابٌ عظیم للمومنین یوم القیامۃ جس نے اللہ کا وصف کسی قسم کے چہرہ سے بھی کیا وہ کافر ہو گیا۔ اللہ کا چہرہ اس کے انبیاء و رسل و حجج ہیں پس انبیا و مرسلین و حجج اللہ کو ان کے درجات میں دیکھنا روز قیامت مومنین کے لئے بڑا اجر رکھتا ہے

قال النبیؐ من زارنی فی حیاتی او بعد مماتی فقد زار اللہ جس نے میری زندگی میں یا میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی اس نے خدا کی زیارت کی۔

ذاتِ خدا کے بارہ میں کلام نہ کرو

حدیث میں ہے تکلّموا فی خلقِ اللہ ولا تتکلّموا فی اللہِ لانّ الکلام فی اللہِ لا یزداد صاحبہٗ الّا تحیّرا خلق خدا کے بارہ میں کلام کرو اور اللہ کی ذات کے بارہ میں کچھ نہ کہو کیونکہ اس میں کلام کرنا متکلم کی حیرت کو بڑھاتا ہے وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ

فَاِذَا انْتَهَى الْكَلَامُ اِلَى اللّٰهِ فَامْسِكُوْا مَنْ نَظَرَ فِی اللّٰهِ کَیْفَ هُوَ فَقَدْ هَلَکَ بے شک اللہ کی طرف ہر امر کی انتہا ہے پس جب کلام اللہ کی طرف منتہی ہو تو چپ رہو۔ جس نے اس امر میں غور کیا کہ خدا کیسا ہے وہ ہلاک ہو گیا۔ اِذَا اَرَدْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْنَ اِلٰی عَظْمَتِهٖ فَانْظُرُوْا اِلٰی عَظِیْمِ خَلْقِهٖ۔ اگر تم اس کی عظمت پر نظر کرنا چاہتے ہو تو اس کی عظیم مخلوق کو دیکھو۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ لَوْ اَکَلَ قَلْبَکَ طَائِرٌ لَمْ یُشْبِعْهُ وَ بَصَرُکَ لَوْ وُضِعَ عَلَیْهِ خَرْتُ اِبْرَةٍ لَغَطَّاهُ تُرِیْدُ اَنْ تَعْرِفَ بِهِمَا مَلَکُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ اِنْ کُنْتَ صَادِقًا فَهٰذِهٖ الشَّمْسُ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ فَاِنْ قَدَرْتَ اَنْ تَمْلَأَ عَیْنَکَ مِنْهَا۔ اے ابن آدم (تیری ہستی ہی کیا ہے) اگر ایک طائر تیرا دل کھالے تو اس کا پیٹ نہ بھرے گا اور تیری آنکھ کی یہ حالت ہے کہ اگر سوئی کا ناکہ اس پر رکھ دیا جائے تو اس کو ڈھک لے کیا پس پر تیرا یہ ارادہ ہے کہ تو زمین و آسمان کے انتظامات کو جاننا چاہتا ہے۔ اگر تو اس خیال میں سچا ہے تو یہ سورج خدا کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے بھلا اسی کو آنکھ بھر کر دیکھ لے تیری قدرت کا پتہ چل جائے گا۔

دُنیا اور زندگانی دُنیا

عیونِ اخبار الرضا میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کَمْ مِنْ غَافِلٍ یَنْسِجُ ثَوْبًا لِیَلْبَسَهُ وَ اِنَّمَا هُوَ کَفَنُهُ وَ یَبْنِیْ بَیْتًا لِیَسْکُنَهُ وَ اِنَّمَا هُوَ مَوْضِعُ قَبْرِهٖ بہت سے غافل ہیں کہ انہوں نے کپڑا پہننے کے لئے بنوایا اور وہی ان کا کفن بن گیا اور گھر رہنے کے لئے بنوایا اور وہی ان کی قبر بن گیا۔

پوچھا امیر المومنین علیہ السلام سے موت کی تیاری کیا ہے فرمایا اَدَاءُ الْفَرَائِضِ وَ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ وَ الْاِشْتِمَالُ عَلَی الْمَکَارِمِ ثُمَّ لَا یُبَالِیْ اَوَقَعَ عَلَی الْمَوْتِ اَمْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَیْهِ وَ اللّٰهِ مَا یُبَالِیْ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَوَقَعَ عَلَی الْمَوْتِ اَمْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَیْهِ۔ فرائض کا ادا کرنا محارم سے بچنا مکارم کا بجا لانا۔ پھر انسان کو قطعاً اس کی پروا نہ ہونی چاہیئے کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔ علی کو اس کی پروا نہیں کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے اَیُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا دَارُ فَنَاءٍ وَ الْاٰخِرَةُ دَارُ بَقَاءٍ فَخُذُوْا مِنْ مَمَرِّکُمْ لِمَقَرِّکُمْ وَ لَا تَهْتِکُوْا اَسْتَارَکُمْ عِنْدَ مَنْ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ اَسْرَارُکُمْ وَ اَخْرِجُوْا مِنَ الدُّنْیَا قُلُوْبَکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا اَبْدَانُکُمْ فَفِی الدُّنْیَا حَیِیْتُمْ وَ لِلْاٰخِرَةِ خُلِقْتُمْ اِنَّمَا الدُّنْیَا کَالسَّمِّ یَاکُلُهٗ مَنْ لَا یَعْرِفُهٗ۔ اے لوگو یہ دنیا فنا کا گھر ہے اور آخرت دار البقا ہے پس اس گزرگاہ کا خیال چھوڑ کر اپنی قرار گاہ کا خیال کرو۔ اور اپنے پردے اس ذات کے آگے چاک نہ کرو جس پر تمہارے بھید پوشیدہ نہیں اور دنیا سے اپنے دلوں کو ہٹا لو قبل اس کے کہ تم دنیا کو چھوڑو تم دنیا میں عارضی زندگی بسر کرنے آئے ہو اور آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو دنیا زہر کی مانند ہے اسے وہی کھاتا ہے جو اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔

خدا نے اپنے ساتھ مومنینِ خاص کا ذکر دس جگہ کیا ہے

رازی نے اسرار التنزیل میں لکھا ہے کہ خدا نے اپنے ساتھ دس جگہ مومنین کا ذکر کیا ہے۔ ۱۔ مراقبہ ۲۔ ولایت

۳۔موالات۔۴۔صلواۃ۔۵۔عزت۔۶۔طاعت۔۷۔مشاقہ۔۸۔اذیت۔۹۔التجا۔۱۰۔شہادت۔

مراقبہ:۔ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ اے رسول کہدو کہ تم جو چاہو عمل کرو پس تمہارے عمل کو اللہ دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور خاص خاص مومنین۔

ولایت:۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔ پس اللہ ہی تمہارا ولی ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

موالات:۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اللہ اس کا ولی ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین۔

صلواۃ:۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں لہٰذا اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھیجو حق ہے سلام بھیجنے کا۔

عزت:۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے عزت خدا معبودیت میں وَاِيَّايَ فَاعْبُدُونِ اور عزت رسول متبوعیت میں فَاتَّبِعُونِي لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ اور عزت مومنین تقویٰ میں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔

اطاعت:۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

مشاقہ:۔ مَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اور مومنین کے بارہ میں ہے۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔

اذیت:۔ اِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اِلیٰ قولہ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

التجا:۔ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً۔

شہادت:۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ

فرق تکوین خدا و غیر خدا

انسان کوئی کام محل مخصوص اور مادہ مخصوصہ معینہ سے کرتا ہے جیسے لوہار لوہے سے اور بڑھئی لکڑی سے کوئی چیز بناتا ہے۔ خدا کو مادہ کی ضرورت نہیں۔ ورنہ اس مادہ کو کسی دوسرے مادہ کی ضرورت ہوگی اور تسلسل لازم آئے گا۔ دوسرے انسان مادہ کو بدل نہیں سکتا بخلاف خدا کے کہ وہ مٹی کو غذا بناتا ہے۔ غذا کو نطفہ اور نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ اور مضغہ کو ہڈی۔ انسان کو اس نے مٹی سے پیدا کیا حالانکہ صورت ترابیہ اس میں باقی نہیں۔ حیوان کو پانی سے پیدا کیا وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ لیکن صورت مائیہ اس میں باقی نہیں۔ جنوں کو آگ سے پیدا کیا لیکن صورت ناریہ ان میں باقی نہیں۔ ناقہ صالح کو پتھر سے پیدا کیا۔ لیکن صورت حجریہ اس میں باقی نہ تھی۔

دلائل توحید باری اور حضرت ابراہیم

البقرہ۔ اذ قال ابراہیم ربی الذی یحیی ویمیت قال انا احیی وامیت قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر ۔ حضرت ابراہیم نے نمرود سے کہا میرا خدا تو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا میرا خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ یہ سنکر وہ کافر حیران ہوگیا۔ اگر نمرود پلٹ کر یہ کہتا کہ تم ہی اپنے خدا سے کہو کہ وہ ڈوبا ہوا سورج پلٹا دے تو خدا کو قولِ ابراہیم کی تصدیق میں اپنی اس صفت کا مظاہرہ کرانا ضروری ہوتا۔ لیکن نمرود کو یہ کہتے بنی نہیں اور وہ معاملہ یوں ہی رہ گیا لیکن خدا پر لازم تھا کہ قولِ خلیل کی تصدیق میں اپنی قدرت کا اظہار ضرور کر دے۔ چنانچہ جناب امیر کے لئے ردِ شمس کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ جو دعویٰ جناب ابراہیم نے کیا تھا وہ غلط نہ تھا۔ اگر اسی وقت خدا ایسا کر کے دکھاتا تو لوگ اس کے برگزیدہ نبی کو خدا سمجھ کر پوجنے لگتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے کہ یہ جو کچھ کیا ہے ابراہیم نے اپنی طاقت سے کیا ہے۔ نمرود کو خدا ماننے والے حقیقی خدا کی معرفت کہاں رکھتے تھے وہ تو بندوں ہی میں خدائی کا انحصار جانتے تھے پس اس صورت میں نمرود کی خدائی باطل ہو کر جناب ابراہیم کی خدائی قائم ہو جاتی۔

(۲) اذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءا ثم ادعھن یاتینک سعیا ۔ حضرت ابراہیم نے کہا یارب مجھے یہ دکھا دے کہ تو مُردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے۔ کہا کیا تم ایمان نہیں لائے۔ کہا کیوں نہیں لایا۔ لیکن اپنے اطمینانِ قلب کے لئے ایسا چاہتا ہوں فرمایا پس چار پرندے لے کر ان کا گوشت کوٹ کر آپس میں ملا دو۔ پھر ہر پہاڑ پر اس کا تھوڑا تھوڑا جز رکھ دو اور ان کو بلاؤ وہ بھاگے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے۔

کلمہ کی تحقیق

کلمۃ اللہ اور کلمۃ التقویٰ اصطلاح قرآن میں انبیا اور اوصیائے انبیاء کو کہتے ہیں

آلِ عمران :۔ اذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح بن مریم یہاں صاف کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔

سورۂ نساء :۔ انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ ہی مراد ہیں۔

سورۂ فتح :۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بھا واھلھا وکان اللہ بکل شیء علیما (اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافروں نے اپنے دلوں

میں حمیت کو جگہ دی اور وہ بھی جاہلیت کی حمیت تو اللہ نے بھی تسکین اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر نازل کر دی اور ان سب کے لئے کلمہ تقویٰ کو لازم کر دیا اور وہ تھے بھی اس کے اہل اور اللہ ہر شے کو پورا جاننے والا ہے۔)

تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے عموماً قریش مراد ہیں اور سہیل بن عمران کا دکیل خصوصاً کہ ان لوگوں نے صلحنامہ لکھنے کے وقت یہ کہا تھا کہ ہم رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے پس بِاسْمِکَ اَللّٰهُمَّ لکھو جو دستور قدیم ہے اور یہ بھی کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ جانتے تو آپ سے جھگڑا ہی کیوں کرتے۔ لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھو۔ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے نَحْنُ کَلِمَةُ التَّقْوٰی وَعُرْوَةُ الْوُثْقٰی ہم کلمہ تقویٰ ہیں اور خدا کی مضبوط رسی ہیں۔

زخرف۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ وَجَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ٥ ابراہیم نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بری ہوں مگر اس کو پوجتا ہوں جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پس عنقریب وہ مجھے ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم بنا دے گا اور اسی اعتقاد کو انہوں نے اپنی عقب میں یادگار کے طور پر چھوڑا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرتے رہیں۔

علل الشرائع میں جناب امام محمد باقرؑ سے اور معانی الاخبار میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امامت قیامت تک اولادِ حسینؑ میں باقی رہے گی۔

ائمہ کا اپنے شیعوں سے تعلق

خصائص حسینیہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ حدیث منقول ہے۔

شِیْعَتُنَا مِنَّا وَقَدْ خُلِقُوْا مِنْ فَاضِلِ طِیْنَتِنَا وَعُجِنُوْا بِنُوْرِ وِلَایَتِنَا رَضُوْا بِنَا اَئِمَّةً وَرَضِیْنَا بِهِمْ شِیْعَةً یُصِیْبُهُمْ مَا اَصَابَنَا وَیُبْکِیْهِمْ مُصَابُنَا وَیَحْزُنُهُمْ حُزْنُنَا وَیَسُرُّهُمْ سُرُوْرُنَا وَنَحْنُ اَیْضًا یَتَاَلَّمُ بِتَاَلُّمِهِمْ وَنَطَّلِعُ عَلٰی اَحْوَالِهِمْ فَهُمْ مَعَنَا لَا یُفَارِقُوْنَا وَنَحْنُ لَا نُفَارِقُهُمْ۔ ہمارے شیعہ ہم میں سے ہیں اور ہماری بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے نور ولایت سے ان کا خمیر ہے وہ ہمارے امام ہونے پر راضی ہیں اور ہم ان کے شیعہ ہونے پر۔ ہماری مصیبت ان کی مصیبت ہے وہ ہمارے مصائب پر روتے ہیں اور ہمارا حزن ان کو محزون کرتا ہے۔ اور ہماری خوشی ان کو خوش کرتی ہے اور ہم بھی ان کے الم سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ ہم ان کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔ وہ نہ ہم سے جدا ہوں گے اور نہ ہم ان سے۔

تقابل حضرت رسولخدا انبیائے کرام سے

آدمؑ:۔ خلقتِ آدم طین سے خلقتِ محمد نور سے۔ آدم کو سجدۂ ملائک ایک بار اور آنحضرت پر خدا و ملائکہ و مومنین کی صلوات تا روز قیامت۔ آدم مادہ کی اول مخلوق محمد نور کی اول مخلوق۔ آدم پہلے نبی دنیا میں۔ آنحضرت پہلے نبی نور میں۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ

وَالطِّينِ۔ آدم کی ترقی جنت تک۔ ان کی ترقی تاب قوسین اَوْ اَدْنٰی تک۔

نوح و۔ سفینہ نوح لکڑی کا تھا اور سفینہ محمد نور کا۔ مَثَلُ اَهْلِبَيْتِي كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَ عَلَيْهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى۔ نوح کا سفینہ دنیا میں سبب نجات ہوا اور محمد کا سفینہ آخرت میں سبب نجات ہوا۔ وہ پانی کی سطح پر چلا یہ ایمان کی سطح پر چلا۔ نوح کی بددعا قوم کی مغفرت کے بارہ میں قبول ہوئی اور آپ رحمۃ للعالمین قرار پائے۔ نوح سے شریعت کی ابتدا ہوئی آپ پر شریعت کی انتہا ہوئی۔ نوح کا بیٹا نا اہل تھا اور آپ کی اولاد اَهْلُ الْبَيْت کہلائی۔

ابراہیم و۔ ابراہیم خلیل اور محمد حبیب۔ وہ طالب ہیں اور یہ مطلوب موافق سُبْحَانَ الَّذِي اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيَاتِنَا الخ۔ خلیل نے درمیان آتش کہا حَسْبِيَ اللّٰهُ اور حبیب کے لئے کہا گیا یَاَیُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ۔ خلیل نے ازدیاد مرتبت کے لئے کہا وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور حبیب کے لئے کہا گیا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ خلیل نے دعا کی وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور حبیب کے لئے کہا گیا لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيَاتِنَا۔ خلیل نے کہا وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ اور حبیب کے لئے کہا گیا وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ خلیل نے کسر اصنام خفیہ کیا۔ حبیب نے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت ظاہر بظاہر توڑے۔ خلیل سے کہا گیا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ اور حبیب کے لئے کہا گیا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ رفع کعبہ میں خلیل کو رضائے خدا مطلوب تھی وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ اور رضائے حبیب کا خدا نے خود ارادہ کیا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔ خلیل نے طہارت باطنی کا سوال کیا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اور حبیب کے لئے فرمایا گیا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ

یعقوب و۔ یعقوب کے بارہ بیٹے محمد کے بارہ وصی اولاد یعقوب میں مریم پارسا اور اولاد رسول میں فاطمہ زہرا۔

موسیٰ و۔ موسیٰ کو خدا نے بارہ چشمے عطا کئے اعطاہ اللّٰہ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ محمد کو بارہ چشمے علم کے دیئے۔ موسیٰ کے لئے عصا تھا محمد کے لئے ذوالفقار۔ خلیفہ موسیٰ ان کے بھائی ہارون تھے اور خلیفہ محمد ان کے بھائی علی اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى محمد کا قول ہے موسیٰ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کیا اور محمد نے انگلی کے اشارہ سے شق القمر کیا۔ موسیٰ نے دعا کی رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي محمد کے لئے خدا نے فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ موسیٰ کے لئے حکم ہوا قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اور محمد کے واسطے کہا گیا وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ عَلَيْهِمْ وَلَا۔ موسیٰ کو خدا نے من و سلوٰی دیا اور محمد اور ان کی امت کے لئے وہ غنایم حلال کئے جو ان سے پہلے کسی کے لئے نہ تھے۔ موسیٰ کے لئے ابر کو صرف وادی تیہ میں سایہ فگن کیا وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ۔ اور محمد کے سر پر ہر وقت ابر سایہ فگن تھا۔ موسیٰ سے خدا نے طور سینا پر کلام کیا اور محمد سے عرش پر۔ موسیٰ کی معراج فرش پر محمد کی معراج عرش پر۔

دعا قبول نہ ہونے کے اسباب

عدم استجابت دعا کے چند سبب ہیں۔ اول شرائط دعا سے ناواقفیت۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے کہا کہ دو آیتیں قرآن میں ایسی ہیں کہ ان کا اثر مجھ پر ظاہر نہیں ہوتا۔ فرمایا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم دعا کرو میں قبول کروں

مگر میری دعا قبول نہیں ہوتی فرمایا کیا تیرا یہ خیال ہے کہ خدا خلاف وعدہ کرتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پس جاننا چاہیے جب انسان خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے اور طریق دعا کو ملحوظ رکھ کر دعا کرتا ہے تو ضرور اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس نے کہا طریق دعا کیا ہے۔ فرمایا وقتِ دعا اول خدا کی حمد کر پھر اس کی نعمتوں کو یاد کر پھر اس کا شکر ادا کر بعد اس کے محمد و آلِ محمد پر درود بھیج پھر اپنے گناہوں کو یاد کر کے طلب مغفرت کر اس کے بعد اپنا مطلب بیان کر۔

پھر فرمایا اور وہ دوسری آیت کیا ہے اس نے کہا وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کا بدلہ پاتے ہو) میں نے خرچ کر کے کبھی بدلہ نہیں پایا۔ حضرت نے فرمایا کیا تیرا یہ عقیدہ ہے کہ خدا خلف وعدہ کرتا ہے۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا پس آگاہ ہو جو کوئی وجہ حلال سے مال بہم پہنچاتا ہے اور اس کو راہِ خدا میں خلوص کے ساتھ صرف کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کا عوض ضرور دیتا ہے۔

دوسرا سبب عدم استجابت دعا کا یہ ہے کہ جو مطلب کوئی بندہ خدا سے چاہتا ہے وہ علمِ الٰہی میں اس کے لئے باعثِ فساد عمل ہوتا ہے چونکہ بندہ عدم علم کی وجہ سے انجامِ امور کو بجز خوبی کے نہیں دیکھتا اس لئے خدا سے دعا کرتا ہے پس حکیم علی الاطلاق اپنے علم و حکمت کے اقتضا سے اس کی حاجت کو روا نہیں کرتا۔ جیسا کہ قول باری تعالٰی سے ظاہر ہے۔ وَعَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (تم ہر شے کو مکروہ جانتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے اور تم ایک شے کو اچھا جانتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہوتی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔) بندہ کا حال اس بارہ میں مثل بیمار کے ہے جو عقل و علم سے بہرہ نہ رکھتا ہو۔ اور ایک حاذق حکیم کی طرف رجوع کرے اور اس سے لذیذ غذائیں کھانے کی التجا کرے اور حکیم اس کی حالت پر نظر کر کے اجازت نہ دے۔

تیسرا سبب تاخیر استجابت دعا کا زیادتی صلاح و پرہیزگاری ہے یعنی جب خدا اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کی مناجات کو سنتا رہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ جب کوئی دوستِ خدا کسی امر کے لئے دعا کرتا ہے تو حق سبحانہ تعالٰی جبرئیل سے فرماتا ہے کہ اس کی حاجت کو روا کر لیکن ذرا تاخیر کے ساتھ کیونکہ میں اپنے دوست بندہ کی التجا کو بار بار سننا پسند کرتا ہوں اور جب کوئی دشمن دعا کرتا ہے تو حق تعالٰی فرماتا ہے کہ جلد اس کی حاجت کو پورا کرو کہ میں اس کی آواز کو زیادہ سننا نہیں چاہتا۔

منقول ہے کہ تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی اول وہ کہ خدا نے اُسے روزی کرامت فرمائی ہو اور وہ اس کو غیر راہ خدا میں صرف کرے۔ دوسرے اپنی عورت پر ظلم کرے اور اس کے لئے بد دعا کرے۔ تیسرے اپنے گھر میں بیٹھے اور بغیر کسی کوشش کے خدا سے طلب رزق کرے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بات دعا کرنے سے قبل مقتضائے حکمت کے خلاف ہوتی ہے اور بعد دعا مقرون بہ مصلحت ہو جاتی ہے کیونکہ خداوندِ عالم کے مصالح باعتبار اوقات، زمانہ کی تبدیلی اور تفاوتِ اشخاص متبدل ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض آیات بعض کی اور بعض شریعتیں بعض کی ناسخ ہیں۔

سحر طلسم اور نقوش وغیرہ کا اثر

کیا وجہ ہے کہ افسوں، طلسمات اور نقوش وغیرہ میں بہ نسبت ادعیہ ماثورہ کے زیادہ اثر ہے۔ جاننا چاہیئے کہ دنیا عالم اسباب ہے یعنی خداوند عالم نے اپنی حکمت و مصلحت کے اقتضا سے بعض کو بعض چیزوں کا سبب قرار دیا ہے پس جب کوئی سبب وجہ مخصوص کے ساتھ پایا جاتا ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ مشروع ہو یا نامشروع مثلاً مرد کی مقاربت عورت کے ساتھ اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو تو باعث استقرار حمل ہوتی ہے خواہ یہ مقاربت مشروع ہو یا نامشروع۔ اسی طرح تلوار قطع کا سبب ہے اب اس سے جو چیز کاٹنی چاہو گے کٹ جائے گی۔ پس خداوند عالم نے حالات بندگان پر نظر کر کے حکم دیا کہ ایک خاص حالت اور قاعدے کے ساتھ اس دنیا میں تصرف کریں اور حد شرع سے تجاوز نہ کریں خواہ اس صورت میں خواہش کے مطابق فائدہ ہو یا نہ ہو۔ جادو، طلسم وغیرہ۔ اگرچہ سبب حصول مقصد ہیں لیکن چونکہ خلاف شرع ہیں لہٰذا کوئی عقلمند نفع دنیوی کے لئے خسران ابدی کو اختیار نہ کرے گا۔ بالغرض تو منع ہم کرتے ہیں کہ دنیا بمنزلہ ایک باغ ہے جو ہر قسم کے میوہ جات سے پُر ہے اور اس باغ کے مالک نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا ہے کہ جب تم کو میوؤں کی ضرورت ہو تو مجھ سے عرض کرو۔ اگر میں مصلحت جانوں گا تو تمہاری حاجت کو پورا کر دوں گا اور اگر کوئی مفسدہ ہو گا تو اس کو پورا نہ کروں گا۔ مگر اس کے بدلے دو چند تم کو انعام دے دوں گا۔ لیکن بغیر میری اجازت کے اگر اس باغ کے پھل کھا لئے تو میں بالفعل کچھ مدت کے لئے تم سے اس بارہ میں مواخذہ نہ کروں گا لیکن بعد میں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔

رزق اور اس کے اقسام

رزق کی دو قسمیں ہیں اول غذائے بدن دوسرے غذائے روح جیسے علوم و کمالات یہ غذا بعد فنائے بدن باقی رہنے والی ہے غذا کی وجہ سے اکثر علما کی غذائے بدن کم ہوتی ہے۔ غذائے روحانی کا مرتبہ غذائے جسمانی سے کہیں زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بڑا مالدار معمولی علم والے سے یہ کہے کہ میں تیرے علم سے مال کو بدلنا چاہتا ہوں تو وہ عالم ہرگز اس کو منظور نہ کرے گا۔ کیونکہ اموال میں لذت خیالی اور عارضی ہے اور اس سے مالک کو روحانی اور جسمانی دونوں طرح کے تعب حاصل ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے علم لذت حقیقی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے مالک کو بلند ہی کرتا رہتا ہے تا اینکہ مراتب سلاطین تک پہنچا دیتا ہے۔ کبھی کسی عالم کو علم کے تخت سے اترتے نہیں دیکھا لیکن سینکڑوں بادشاہوں کو معزول ہوتے دیکھا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک شخص فقرائے شیعہ میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور فقر کی شکایت کی۔ فرمایا تو ہمارے شیعوں میں سے ہے اور دعویٰ فقر کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے تمام شیعہ غنی ہیں۔ پھر فرمایا اچھا میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر کوئی مالدار تجھ سے یہ کہے کہ میں تجھ کو ایک عظیم الشان ذخیرہ چاندی کا دے دوں گا بشرطیکہ تو ہم اہلبیت کی محبت سے ہمارے غیر کی محبت کی طرف پھر جائے کیا تو ایسا کر لے گا۔ کہا ہرگز نہیں اگرچہ چاندی کے بجائے سونا ہی کیوں نہ دے۔ فرمایا بس تو فقیر نہیں۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس وہ نہ ہو جو تیرے پاس ہے۔ پھر حضرت نے اس کو کچھ مال عطا فرمایا۔

ایک دن حضرت رسولخدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا بتاؤ فقیر کون ہے؟ انہوں نے کہا جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں فرمایا یہ فقیر کی تعریف نہیں بلکہ فقیر وہ ہے جو عرصۂ قیامت میں کسی کا ضارب یا کسی کا غاصب بن کر آئے پس اگر اس کے پاس حسنات سے کچھ ہوگا تو اس سے لے کر مضروب و مغصوب منہ کو دیدیا جائے گا اور اگر حسنات نہ ہوں گے تو ان کے گناہ اس کی گردن پر رکھے جائیں گے

اگر رزق عقل پر موقوف ہوتا تو عاقل اپنی عقل پر فخر کرتا اور اپنے رب سے منکر ہو جاتا اور جاہل بھوکا مرتا اور گناہوں کا مرتکب ہوتا لیکن اب جبکہ عاقل اپنا افلاس دیکھتا ہے اور غلطی اپنی عقل کی جانتا ہے تو اس کا سر جھکا رہتا ہے اور اس کا یقین کرتا ہے کہ کشادگی رزق خدا کی قدرت پر موقوف ہے۔

علما کے مفلس رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ علما انبیا اور اولیا کے پیرو ہیں اگر خدا ان کو مالدار بناتا تو لوگ ان کے ثروت و غنا کے باعث ان کی ہدایتوں کو قبول کرتے پس اس سے ہدایت میں ضعف آجاتا اور مدح وجزا باطل ہو جاتی۔ بلکہ اکثر اوقات ان کی بہت سی باتیں جیسے زہد و صبر وغیرہ فقیروں کے دل پر اثر نہ کرتیں کیونکہ ان کا مشاہدہ ہوتا کہ زبان سے کہتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ اگر خدا چاہتا تو اپنے انبیا کے لئے سونے چاندی کے خزانے کھول دیتا لیکن اس صورت میں بلا ساقط اور جزا باطل ہو جاتی۔ بلکہ صورتِ نبوت ہی باقی نہ رہتی کیونکہ دولتمندی جباروں کی شان ہے۔ پس خدا نے اپنے رسولوں کو سب سے بہتر ارادی قوت میں بنایا اور ظاہری حالت میں سب سے ضعیف۔ ان کے دل قناعت سے بھر دیئے۔ اگر انبیا صاحب قوت و ملک ہوتے تو پھر ان کی بات کا اعتبار کر لینا لوگوں کو بہت زیادہ آسان ہو جاتا کیونکہ ملوک عوام الناس کی نظر میں اطاعت کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔ اس صورت میں لوگوں کے اعمال و حسنات خالصاً للہ نہ رہتے بلکہ اللہ اور مخلوق کے درمیان تقسیم ہو جاتے۔ اس کے علاوہ جس قدر بلا و امتحان سخت ہوتا ہے اسی قدر ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ پس جب انبیا کے لئے فقر لازم ہے تو علماء کے لئے ثروت کیونکر جائز ہوگی کیونکہ وہ وارثانِ انبیا ہیں۔ اگر فقر میں ذلت اور تمول میں عزت ہوتی تو فرعون خدا کے نزدیک عزیز ہوتا اور موسیٰ ذلیل اسی طرح اور تمام انبیا و مرسلین کیونکہ ان سب کو ثروت دنیوی بہت کم حاصل ہوئی۔ خدا فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ علاوہ بریں خدا کا ہر کام مصلحت پر مبنی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے فقر ہی اچھا ہے اور بعض کے لئے دولتمندی اور وہ ہمارے حالات خوب جاننے والا ہے۔

حضرت رسولخدا نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔ آگاہ ہو کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس کا رزق کامل نہیں ہو جاتا پس خدا سے ڈرو۔ اور طلب میں جائز کوشش کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی جستجو میں معصیت خدا ہو جائے کیونکہ خدا نے رزق کو مخلوق کے درمیان حلال و حرام دو طریقہ سے تقسیم کیا ہے جو خدا سے ڈرا اور صبر کیا اس کو بطریق حلال رزق حاصل ہوا اور جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے بطریق حرام حاصل کیا۔ حدیث میں ہے کہ تمہارے ارزاق تم کو اسی طرح ڈھونڈتے ہیں جس طرح تمہاری موتیں۔ پس جسطرح موت نہ چھوڑے گی اسی طرح رزق نہ چھوڑے گا۔

حکایت:۔ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے اور ایک شخص سے فرمایا میرے گھوڑے کی لگام تھامے

رہنا۔ جب آپ واپس آئے تو دو درہم آپ کے ہاتھ میں اس کو اجرت دینے کے لئے تھے۔ دیکھا کہ وہ شخص لگام لے کر بھاگ گیا ہے۔ آپ نے ایک شخص کو وہ دو درہم دے کر لگام خریدنے بازار کو بھیجا۔ اتفاقاً وہی چور اسے مل گیا اور وہی لگام اس نے دو درہم میں اس سے خرید لی۔ حضرت نے فرمایا بندہ صبر کو ترک کر کے رزق حلال کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔

سوال:- اگر کوئی شخص در بند کر کے بیٹھ رہے تو خدا پر رزق پہنچانا واجب ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے بقدر قوت لایموت اور بعض نے کہا ہے واجب نہیں مگر اس شخص کے لئے جو خدا پر توکل کئے ہوئے ہو کیونکہ خدا فرماتا ہے مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ حق یہ ہے کہ اس طرح رزق پہنچانا خدا پر واجب نہیں بلکہ تفضل ہے۔

مروی ہے کہ جب آیہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا نازل ہوئی تو اصحاب نبی نے کہا کہ اب تو خدا ہمارے رزقوں کا ضامن ہو ہی گیا پھر کیوں خواہ مخواہ اپنے کو تعب میں ڈالیں پس دروازے بند کر لئے اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے تابع فرمان بنایا پس تم اس کے اوپر چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف تمہارا پلٹنا ہے)

کسب معاش انسان کا فرض ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَرَكَ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ وَالْآخِرَةَ لِدُنْيَاهُ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنی دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑ دے۔ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا لَا تَكْسَلُوا فِي طَلَبِ مَعَايِشِكُمْ فَإِنَّ آبَاءَنَا يَرْكُضُونَ فِيهَا وَيَطْلُبُونَهَا (اپنی معاش کے طلب کرنے میں سستی نہ کرو۔ پس ہمارے آباؤ اجداد روئے زمین پر دوڑ لگاتے تھے اور اپنا رزق طلب کرتے تھے)

ابو حمزہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ زمین کھود رہے ہیں اور سر سے پاؤں تک پسینہ ہیں۔ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں حضرت کے خدمت گزار کہاں ہیں فرمایا بہتر کام وہی ہے جو اپنے ہاتھ سے انجام دیا جائے جو مجھ سے بہتر ہیں وہ بھی اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے ہیں۔ پوچھا گیا وہ کون ہیں فرمایا رسول اللہ۔

ابو الفضل ابن ابی قرہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی دیوار بنا رہے ہیں ہم نے کہا یابن رسول یہ کام ہمارے سپرد کیجئے۔ فرمایا خدا اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ میں اس کو اپنے ہاتھ سے بناؤں اور اپنے نفس کی اذیت میں طلب حلال کروں۔ خدا اس کو دوست رکھتا ہے کہ طلب حلال میں اپنے نفس کو تعب میں ڈالا جائے۔

عہد رسالت میں وجود صادقین

آیہ کونوا مع الصادقین یہ بتاتی ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں صادقین کا وجود تھا اور لوگ ان کو جانتے تھے۔ آیہ مباہلہ کے جزو آخر لعنۃ اللہ علی الکاذبین نے بتا دیا کہ جو محمد و آل محمد کے خلاف ہیں وہ کاذبین ہیں اور

محمد وآلِ محمد صادقین۔

کیا شیعہ صحابہ پرست نہیں

اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیعہ صحابہ کو برا کہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں شیعہ صحابہ کے بڑے قدردان بلکہ صحابہ پرست ہیں مگر معیارِ صحابیت پر کھرا اترنا ضروری ہے۔ ہم تو صحابہ کو اہلبیت کی صف میں دیکھنے والے لوگ ہیں سلمان مِنَّا اَھلَ البیت پر ایمان رکھنے والے ہیں صحبتِ رسول میں اگر برے صحابی نہ ہوتے تو اچھوں کا پتہ نہ چلتا۔ برے اور اچھے ہمیشہ ملے رہے ہیں لیکن جب کسوٹی بیچ میں آگئی تو برے اچھوں سے جدا ہو گئے۔

کیا شیعہ مردہ پرست ہیں

لوگ اعتراضاً کہتے ہیں ہم قبر پرست ہیں ہم مُردہ پرست ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے ہم سچے خدا پرست ہیں جن کو خدا نے مردہ نہیں سمجھا ہم بھی ان کو زندہ سمجھتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ مردہ ہوں اور جن کو خدا نے مردہ سمجھا ہے ہم بھی ان کو مردہ جانتے ہیں گو بظاہر زندہ ہوں بحیح بلیت بین الحی پر ہمارا ایمان ہے۔

جنگ سے بھاگنا کفر تھا

اُحد میں حضرت رسولِ خدا نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کی طرح تم کیوں نہ بھاگے فرمایا لا اکفرُ بعدَ الایمان اس سے معلوم ہوا کہ بھاگنا کفر تھا۔ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے جو ہمیشہ سے ایمان والا تھا اس نے رسول کو نہ چھوڑا اور جو ہمیشہ سے اصنام پرست تھے انہوں نے پہاڑ کے پتھروں کو نہ چھوڑا۔

شہرِ علم اور اس کا دروازہ

اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ یہ مدینہ درحقیقت قصرِ نبوت تھا جس کی سب سے پہلی اینٹ بطور بنیاد کے حضرت آدم کی نبوت تھی اصطفٰی کے ارشاد نے اس کو زمین پر اتارا پھر جب کشتیٔ نوح پانی پر چلی تو یہ قصر زمین سے بلند ہوا پھر جب حضرت ابراہیم کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا تو اس کی بلندی اور بڑھی اور جب حضرت سلیمان کا بساط ہوا پر اٹھا تو بلندی اور زیادہ ہوئی اور جب حضرت علیسیٰ آسمان چہارم پر گئے تو یہ بلندی اور بڑھی اور جب حضرت محمد مصطفٰے قابَ قوسین اوادنٰی پر پہنچے تو بلندی اپنی حد کو پہنچ گئی۔ پس دروازہ بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہیئے کہ اس میں زمین آسمان کرسی و عرش وغیرہ سب چیز داخل ہوں۔ یعنی ان سب چیزوں پر اس کا تصرف ہو۔

اگر رسول اپنے کو دکھانا نہ چاہتے تو کوئی دیکھ نہ سکتا

جب آنحضرت نے سورۂ تبّت یدا ابی لھب کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے اُمّ جمیل زوجۂ ابولہب سے جاکر کہا کہ کل رات محمد نے تجھ پر اور تیرے شوہر پر لعنت کی وہ غیظ میں بھر کر کہنے لگی میں ابھی جاکر محمد کو اتنی صلواتیں سناتی ہوں کہ یاد ہی کریں۔ جب وہ تلاش کرتی کعبہ میں آئی تو اس وقت حضرت کے پاس ابوبکر بیٹھے تھے کہنے لگے یا رسول اللہ آپ اس وقت چھپ جایئے مبادا اُمّ جمیل گستاخانہ کلمات کہے۔ فرمایا تم مطمئن رہو وہ مجھے دیکھے گی نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت سامنے تھے اور وہ پوچھ رہی تھی کہ کہاں ہیں۔ ایسی ہی صورت حضرت یوسف کی تھی کہ جب ان کے بھائی ان کے سامنے گئے تو حضرت یوسف نے تو پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ فَعَرَفَھُمْ وَھُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک انبیا خود نہ چاہیں کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت

ایک بار چار شریر الطبع لوگوں نے جن کی زبان دانی پر عرب کو بڑا ناز تھا۔ بڑے غور و فکر کے بعد قرآن کے چار لفظوں کو غیر فصیح قرار دیا۔ ھُزُوًا۔ کُبّار۔ لشیئٌ۔ عُجاب۔ جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جو تم میں زیادہ فصیح و بلیغ ہو وہ آگے آئے چنانچہ زید نامی ایک شخص آگے بڑھا آپ نے اس سے فرمایا اِجلِسْ بیٹھ جا وہ بیٹھ گیا۔ فرمایا کھڑا ہو جا وہ کھڑا ہو گیا۔ جب تین بار حضور نے ایسا ہی فرمایا تو اس کو غصہ آگیا کہنے لگا۔ اَتَتَّخِذُنِیْ ھُزُوًا اِنِّیْ شیخٌ کُبّارٌ وَاِنَّ ھٰذَا الشَّیْئُ عُجَاب۔ چونکہ یہ چاروں لفظ زبان عرب پر چڑھے ہوئے تھے لہٰذا بے اختیار بول گیا۔

قرآن میں تکرار مضامین

قرآن میں بار بار مضامین خمسہ (اصول خمسہ) کا تکرار کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ بات یہ ہے کلام دو قسم کا ہوتا ہے۔ اول کلام یہ مقصود ہوتا ہے کہ نہ جاننے والا ایک بات کو جان لے۔ دوسرے یہ کہ اس علم کی صورت سننے والے کے دماغ میں اس طرح قائم کر دی جائے کہ وہ ہمیشہ اس کے تصور سے لطف حاصل کرتا رہے اور اس لطف فراواں سے اس کے قوائے عقلیہ و باطنیہ لطف اندوز ہوں اور حصول علم کا ذوق و شوق زیادہ ہو مثلاً ایک شعر جس کے معانی و مطالب ہم سمجھ چکے ہیں تکرار پڑھتے ہیں اور ہر بار ایک لذّت تازہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی لذت کی وجہ سے ہم کو اس کی تکرار پسند ہے اس وجہ سے قرآن مجید میں مطالب خمسہ کو تکرار بیان کیا گیا ہے۔

وَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی کی تاویل

ضَال کے معنی قرآن میں ڈھل نکلنے کے بھی ہیں مثلاً اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْد (سجدہ) جب ہم زمین میں

جائیں گے تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آئیں گے۔ پس وَجَدَکَ ضالاً کے یہ معنی ہوئے کہ رسول خدا کو خدا نے ایسے لوگوں کے بیچ میں پایا جو اپنی کفر و ضلالت سے چاروں طرف سے ڈھانکے ہوئے تھے۔ پس رسول کو خدا نے تم کو اس تاریکی بھی سے نکال لیا۔

اذان کی خوبی انگریز کی زبان سے

مصنف انسائیکلوپیڈیا جلد ششم میں لکھتا ہے کہ اسلام کی یہ خوبی کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتی کہ اس نے اپنی عبادت کا اعلان آوازِ انسان کو قرار دیا جو عیسائیوں کے گھنٹے اور یہودیوں کی ترہی کی آواز سے کہیں زیادہ موثر و دلکش ہے۔

نماز کا ایک خاص فائدہ انگریز کی زبان سے

ریورینڈ جیمس سوار کہتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ نماز بے حیائی اور بدکاری سے روکتی ہے۔ اگرچہ بعض نمازیوں میں بھی بدکار پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان سے چھوٹنے کا خیال قوی ہے جب کوئی بندہ پانچ بار یعنی ایک ماہ میں ایک سو پچاس بار خدا سے اپنا عہد تازہ کرلیگا۔ اور اس سے بچنے کی دعا کرے گا تو ایک نہ ایک دن اپنے عہد میں کامل ہو ہی جائے گا

مسٹر سی ایم کننگ کہتے ہیں کہ انسان فطرتاً اس بات کا عادی ہے کہ جب دنیاوی کاموں اور مجلسی تفریحوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کو اصلاحِ نفس کا خیال نہیں رہتا اور بعض تفریحوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے پس جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے اپنے وفاداروں پر دن رات میں پانچ وقتوں کی نماز فرض کی ہے اور ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس فرض کو ادا کریں تو مجھے اعتراف کرنا ہوتا ہے کہ نماز حقیقتاً ہدایت کا بہترین ذریعہ ہے جو کچھ کچھ وقفہ کے بعد گندے خیالات کو دل سے مٹاتا رہتا ہے۔ جب نماز کا وقت آتا ہے اور نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں خلوص و اتحاد بڑھتا ہے اور تواضع کی خو پیدا ہوتی ہے۔ امیر غریب ایک ساتھ کھڑے ہوکر جب نماز پڑھتے ہیں تو مساوات کی کیفیت نظر آتی ہے۔

اسلام نے غلاموں کی کیا قدر کی

مسٹر باسورتھ اسمتھ صاحب فرماتے ہیں کہ موسیٰ نے عادات و رسوم ملکی و غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا اور مسیح نے اس وقت خاص خیال چھوڑ دیا اور سلطنتِ روم کی سخت برائیوں اور غلامی کو جو اس کی روح کو صدمہ پہنچاتی ہوں گی برا بھلا نہ کہا۔ صرف اس پر قناعت کی کہ اپنے پیروں کے دلوں میں نیکی کا بیج بو دے تاکہ قبیح رسوم خود بخود مٹ جائیں۔"

مگر ہمارے پیغمبر نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی رسالت کے شروع میں بغیر ضد دید قریش کی رضامندی اور ناراضی کا خیال کئے ہوئے بڑی بلندی سے غلاموں کی آزادی کا وعظ فرمایا اور ان کو غلامی کی بدتر حالت سے نکال کر اخوت اور ہمسری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا اور یہ حکم ہوا کہ جو غلام لڑائی وغیرہ میں بنائے جائیں تو ان کو یا تو احسان رکھکر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو اور لوگوں کو آزاد کرنے کی رغبت دلائی۔ غلاموں کی آزادی کو خوشنودی

جیسا خود کھانا کھاؤ ویسا ہی ان کو کھلاؤ اور جیسا خود پہنو ان کو بھی
خدا حاصل کرنے کا وسیلہ بتایا اور یہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ جو مالک اپنے غلام پر مہربانی کرے گا وہ مقبولِ خدا ہوگا۔ اور جو غلام سے بُرا برتاؤ کریگا
پہناؤ کیونکہ تمہاری طرح وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔ یہ بھی فرمایا
وہ جنت کی بو نہ سونگھے گا۔

ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا اگر میرا غلام مجھے ناراض کرے تو کتنی بار اس کا قصور بخشا جائے فرمایا ایک دن میں ستر بار۔ یہ بھی تاکید
کی گئی کہ غلاموں کو ایسی تکلیف نہ دی جائے جو ان کو تھکا دے۔ اگر زیادہ دن کا کام ہو تو آقا کو اس کا شریک کار ہو جانا چاہیئے۔ ہرگز کوئی نہ
نہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے یا یہ میری لونڈی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ میرا لڑکا ہے یہ میری لڑکی ہے۔ غلام اور کنیز حقارت کے الفاظ ہیں انہیں استعمال
اوروں کا کیا ذکر رسول زادی خود اپنی کنیز جناب فضہ کے ساتھ چکی پیستی تھی۔ کبھی اپنے ہاتھ میں ہتی کو نیچے سے پکڑتی تھیں اور کبھی
تاکہ لونڈی کو بی بی سے زیادہ تکلیف نہ ہو۔

حدیث ثقلین کا ایک نکتہ

قیامت تک اہلبیت میں سے ایک شخص کو قرآن کے ساتھ رہنا ضروری ہے تاکہ علم و عمل دونوں ساتھ رہیں۔ رسول اپنے زمانہ حیات
میں تمام مسلمانوں کو آیاتِ الہیٰ اور احکام اسلام پر عمل کرکے دکھلاتے رہے۔ پس ضرورت تھی کہ اسی طرح ہر زمانہ میں کوئی عمل کرکے دکھاتا رہے
لوگوں کو قرآن کی بہت سی تعلیم کے متعلق یہ کہنے کا موقع مل سکتا ہے کہ ان پر عمل کرنا ناممکن ہے یا یہ کہ صرف رسول ہی ایسا کرسکتے تھے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیم فطری ہے

اسلام میں جس قدر اخلاقی محاسن کو بیان کیا گیا ہے وہ سب قابلِ عمل ہیں۔ بعض مذاہب نے بہت زیادہ نیاضی کے اپنے احکام بنا
میں مثلاً موجودہ انجیل میں ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کردو۔ لیکن یہ احکام ایسے ہیں
ظاہر میں تو اخلاق کے بہت بڑے نمونے معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ناقابلِ عمل بلکہ قانونِ قدرت و فطرت کے خلاف ہیں اور عادات
سے اُن کا امکان محال ہے۔ اسی لئے ایسی اخلاقی باتیں عیسائی لٹریچر میں برائے نام لکھی رہ گئی ہیں اور دنیائے عیسائیت میں ایک فرد بھی ان
عمل پیرا نہیں۔ لیکن اسلامی تعلیم میں ہر جگہ اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

حضرت امام حسنؑ کی خیرات

مسٹر گبن نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف
دیا اور دو مرتبہ جو کچھ تھا سب دے دیا۔ اس میں اتنا اور اضافہ اس کو کرنا چاہیئے کہ پائے مبارک کی نعلین تک نصف حصہ مال میں شامل کردی
راہِ خدا میں دو بار اپنا مال دے دینے کی نسبت اتنا اضافہ اور ہونا چاہیئے کہ معاویہ نے اس پر تعریفاً آپ کو لکھا لاخیر فی اسراف

واب میں تحریر فرمایا لا اسراف فی الخیر نیک کاموں میں اسراف نہیں۔

معرفت باری تعالےٰ

نہج البلاغہ:۔ اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ وَکَمَالُ مَعْرِفَتِہِ التَّصْدِیْقُ بِہٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِہٖ تَوْحِیْدُہٗ وَکَمَالُ تَوْحِیْدِہِ الْاِخْلَاصُ لَہٗ وَکَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَہٗ نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْہُ لِشَہَادَۃِ کُلِّ صِفَۃٍ اَنَّہَا غَیْرُ الْمَوْصُوْفِ وَشَہَادَۃِ کُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّہٗ غَیْرُ الصِّفَۃِ فَمَنْ وَصَفَ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ فَقَدْ قَرَنَہٗ وَمَنْ قَرَنَہٗ فَقَدْ ثَنَّاہُ وَمَنْ ثَنَّاہُ فَقَدْ جَزَّاَہٗ وَمَنْ جَزَّاَہٗ فَقَدْ جَہِلَہٗ وَمَنْ جَہِلَہٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَیْہِ وَمَنْ اَشَارَ اِلَیْہِ فَقَدْ حَدَّہٗ وَمَنْ حَدَّہٗ فَقَدْ عَدَّہٗ وَمَنْ قَالَ فِیْمَ فَقَدْ ضَمَّنَہٗ وَمَنْ قَالَ عَلَامَ فَقَدْ اَخْلٰی مِنْہُ کَائِنٌ لَا عَنْ حَدَثٍ مَوْجُوْدٌ لَا عَنْ عَدَمٍ مَعَ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُقَارَنَۃٍ وَغَیْرُ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُزَایَلَۃٍ فَاعِلٌ لَا بِمَعْنَی الْحَرَکَاتِ وَالْاٰلَۃِ۔ دین میں پہلی چیز خدا کی معرفت ہے اور کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمالِ تصدیق اس کی توحید ہے اور کمالِ توحید اس کے ساتھ اخلاص ہے اور کمالِ اخلاص اس سے صفات کی نفی ہے۔ کیونکہ ہر صفت اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنی صفت کا غیر ہے۔ پس جس نے خدا کے متعلق زاید بر ذات صفات کا اعتقاد کیا تو اس نے خدا کا ہمسر مانا اور جس نے ہمسر مانا تو اس نے دو خدا مان لئے اور جس نے دو کر دیئے اس نے خدا کے جزء بنا دیئے اور جس نے جزء بنا دیئے وہ اس سے جاہل رہا اور جو اس سے جاہل رہا اس نے خدا کو جسم والا مان کر اشارہ کر دیا اور جس نے اشارہ کر دیا اس نے اس کو محدود سمجھ لیا اور جس نے محدود سمجھ لیا اس نے خدا کو مخلوقات میں شمار کیا۔ جس نے کہا خدا کسی میں ہے اس نے اس کے لئے ظرف کو تجویز کیا اور جس نے کہا کسی چیز پر ہے اس نے کسی چیز سے اس کو خالی کیا۔ خدا کی ہستی تو ہے لیکن حادث نہیں۔ وہ موجود ہے معدوم نہیں۔ ہر چیز کے ساتھ ہے لیکن اس سے ملا ہوا نہیں۔ ہر شے کا غیر ہے لیکن اس سے جدا نہیں۔ وہ فاعل ہے لیکن حرکات و آلہ سے نہیں۔

آلِ محمدؐ کی تعریف

ھُمْ مَوْضِعُ سِرِّہٖ وَلَجَاُ اَمْرِہٖ وَعَیْبَۃُ عِلْمِہٖ وَمَوْئِلُ حِکَمِہٖ وَکُہُوْفُ کُتُبِہٖ وَجِبَالُ دِیْنِہٖ بِہِمْ اَقَامَ اِنْحِنَاءَ ظَہْرِہٖ وَاَذْہَبَ اِرْتِعَادَ فَرَائِصِہٖ ھُمْ اَسَاسُ الدِّیْنِ وَعِمَادُ الْیَقِیْنِ اِلَیْہِمْ یَفِیْءُ الْغَالِیْ وَبِہِمْ یُلْحَقُ التَّالِیْ وَلَہُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَایَۃِ وَفِیْہِمُ الْوَصِیَّۃُ وَالْوِرَاثَۃُ الْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَھْلِہٖ (نہج البلاغہ) وہ خدا کے بھید کی جگہ ہیں ملجائے امورِ الٰہی ہیں معدنِ علم اور مخزنِ حکمت الٰہی ہیں۔ کتب الٰہیہ کے کوہ محکم اور دین کے پہاڑ ہیں ان کی وجہ سے دین کی ٹیڑھی پشت سیدھی ہو گئی اور اس کے کندھوں کا رعشہ دور ہو گیا۔ وہ دین کی بنیاد ہیں وہ یقین کے ستون ہیں۔ ہر بلند مرتبہ ڈھونڈنے والا انہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور پیچھے آنے والا انہی سے ملحق ہوتا ہے ان کے لئے حقِ ولایت کی خصوصیات ہیں اور انہی کے لئے وصیت و وراثت ہے۔ اب حق اپنے اہل کی طرف لوٹا اور اپنی مخصوص جگہ پر منتقل ہو کر آیا۔

خطبہ شقشقیہ کا ایک حصہ

وَطَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَاءَ یَهْرَمُ فِیْهَا الْکَبِیْرُ وَیَشِیْبُ فِیْهَا الصَّغِیْرُ وَیَکْدَحُ فِیْهَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّهٗ فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی هَاتَا اَحْجٰی فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَیْنِ قَذًی وَفِی الْحَلْقِ شَجًا اَرٰی تُرَاثِیْ نَهْبًا۔ میں سوچنے لگا کہ آیا اپنے دستِ بریدہ سے حملہ کر بیٹھوں یا اس اندھیر پہ صبر کروں یہ ایسا سیاسی اندھیر تھا کہ بوڑھا ہو تو صدمہ سے اور زیادہ بوڑھا ہو جائے اور بچہ ہو تو اس پر قبل از وقت بڑھاپا چھا جائے۔ اس میں مومن کے لئے رنج ہی رنج تھا یہاں تک کہ وہ اپنے خدا سے جا ملے۔ پس میں نے دیکھا کہ اس حالت میں صبر ہی زیادہ مناسب ہے۔ پس میں نے صبر کیا درآنحالیکہ میری آنکھ میں کھٹک تھی اور میرے حلق میں اچھو لگا ہوا تھا اور میں اپنی میراث کو لٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَاَ النَّسَمَۃَ لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَقِیَامُ الْحُجَّۃِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ وَمَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَنْ لَا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّۃِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَلَسَقَیْتُ اٰخِرَهَا بِکَاْسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهٖ اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَۃِ عَنْزٍ۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ہواؤں کو چلایا اگر حاضرین مجھے نہ گھیرتے اگر مددگاروں کے موجود رہنے سے حجت خدا نہ قائم ہو جاتی۔ اگر خدا نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالم کی سیری اور مظلوم کی بھوک پر قرار نہ لیں تو اس ناقہ خلافت کی مہار اس کے کوہان پر چھوڑ دیتا اور خلافت کے آخری مرتبہ کو بھی اول ہی کے کاسہ (نفرت و علیحدگی) سے سیراب کرتا۔ میرے نزدیک تمہاری یہ دنیا بکری کے ناک کے پانی سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے۔

مذمتِ دنیا

هٰذَا مَاءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَۃٌ یَغَصُّ بِهَا اٰکِلُهَا وَمُجْتَنِی الثَّمَرَۃِ لِغَیْرِ وَقْتِ اِیْنَاعِهَا کَالزَّارِعِ بِغَیْرِ اَرْضِهٖ فَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلَی الْمُلْکِ وَاِنْ اَسْکُتْ یَقُوْلُوْا جَزِعَ مِنَ الْمَوْتِ هَیْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَّا وَالَّتِیْ وَاللّٰهِ لَابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ۔ یہ دنیا تو ایک سڑتے ہوئے پانی کی مانند ہے اور ایسا لقمہ ہے جس کے کھانے والے کو اچھو لگتا ہے اور بغیر پختگی کا وقت آئے پھل چننے والا ایسا ہے جیسے غیر کی زمین میں کھیتی کرنے والا۔ اگر میں معاملہ خلافت میں دخل دے کر کچھ کہتا ہوں تو لوگ کہیں گے ملک کا لالچ کیا اور اگر چپ رہتا ہوں تو لوگ کہیں گے موت سے ڈر گئے۔ افسوس چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد۔ اللہ ابوطالب کا بیٹا موت کا اس سے زیادہ مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا۔

روزِ جمل جناب امیر کی بیٹے کو ہدایت

جناب امیر علیہ السلام نے روز جمل اپنے فرزند محمد حنفیہ سے فرمایا۔ یَا بُنَیَّ تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَا تَزُلْ عَضَّ عَلٰی نَاجِذِکَ

أعر اللہ جمجمتک تِدْ فِي الارضِ قدمک ارمِ ببصرک اقصی القوم و غضِ بصرک واعلم ان النصر من عند اللہ
سُبحانہٗ۔ بیٹا پہاڑ جگہ سے ہٹ جائے مگر تم میدانِ جنگ سے نہ ہٹنا۔ دانت پر دانت جمائے رہنا۔ اپنا سر راہِ خدا میں دیدو اور زمین میں
اپنے قدم میخوں کی طرح جما دو اور دشمن کے لشکر کی آخری صف پر نظر رکھنا اور آنکھ کو وہیں جما دینا اور یہ جان لو کہ نصرت خدا کی طرف
سے ہوتی ہے۔

قرآن کی تعریف علی کی زبان سے

اِنَّ القُرآنَ ظاھِرُہٗ اَنیقٌ وَ باطِنُہٗ عَمیقٌ لا تَفنیٰ عجائبُہٗ ولا تَنقَضِی غرائبُہٗ ولا تُکشَفُ الظُّلماتُ اِلّا بِہٖ
اس قرآن کا ظاہر خوشنما ہے اور باطن بہت گہرا ہے اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے اس کے غرائب کم نہیں ہوتے اور اس کی مشکلات
اسی سے حل ہوتی ہیں۔

مذمتِ دُنیا

وَاِنَّھا عِندَ ذَوِی العُقُولِ کَفَیءِ الظِّلِّ بَینا تَراہُ سابِغاً حتّٰی قَلَصَ وزائداً حتّٰی نَقَصَ یہ دنیا عقلمندوں کے نزدیک
سایہ کی مانند ہے جیسے تم ابھی پھیلا ہوا دیکھتے ہو ابھی سمٹ گیا۔ ابھی زیادہ تھا ابھی کم ہو گیا۔

عورتوں کی مذمّت

قال فرماتیر معاشِرَ النّاسِ اِنَّ النِّساءَ نَواقِصُ الایمانِ نَواقِصُ الحُظُوظِ نَواقِصُ العُقُولِ فامّا نُقصانُ اِیمانِھِنَّ قُعودُھُنَّ عَنِ
الصَّلوٰۃِ وَالقِیامِ فی حَیضِھِنَّ وَ اَمّا نُقصانُ عُقولِھِنَّ فَشَہادَۃُ امرأتَینِ مِنھُنَّ کَشَہادَۃِ الرَّجُلِ الواحِدِ وَ اَمّا نُقصانُ حُظوظِھِنَّ
فَمَواریثُھُنَّ عَلَی الانصافِ مِن مَواریثِ الرِّجالِ۔ لوگو! عورتیں ناقص الایمان ہیں ناقص الحظ ہیں اور ناقص العقل ہیں۔ نقصانِ ایمان
تو اس وجہ سے ہے کہ ہر ماہ حیض کی وجہ سے وہ نماز روزے سے رک جاتی ہیں اور عقل کے نقصان کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک
مرد کی برابر ہے اور نقصانِ حظ اس سے ظاہر ہے کہ وہ میراث میں مرد سے آدھا حصہ پاتی ہیں۔ (امیر المومنین)

مذمتِ دُنیا

مَا اَصِفُ مِن دارٍ اَوَّلُھا عَناءٌ وَ آخِرُھا فَناءٌ فی حَلالِھا حِسابٌ وَفی حَرامِھا عِقابٌ مَنِ استَغنیٰ فیھا فُتِنَ وَمَنِ افتَقَرَ
فیھا حَزِنَ وَمَن ساعاھا فاتَتہُ وَمَن قَعَدَ عَنھا اَتَتہُ وَمَن اَبصَرَ بِھا بَصَّرَتہُ وَمَن اَبصَرَ اِلَیھا اَعمَتہُ۔ میں اس گھر کا کیا وصف
بیان کروں جس کا اول رنج ہے اور آخر فنا ہے اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے جو اس میں غنی بنا فتنوں کا نشانہ بنا

اور جو ابن دنیا کی طرف محتاج ہوا محروم رہا۔ جو اس کی طرف دوڑا اس سے دور رہا اور جو اس کی طلب سے بیٹھ رہا وہ اس کی طرف متوجہ آئی جس نے غور سے دیکھا وہ بینا ہوا۔ اور جس نے طمع کی نظر سے دیکھا وہ اندھا گیا۔

لفظِ مبین کا اطلاق

قرآن کتاب مبین۔ وارثِ کتاب امام مبین۔ مورثِ کتاب رسولِ مبین (حتیٰ جاءَھُم الحق ورسول مبین (الزخرف) ان کا دشمن عدو مبین۔ ان سے تمسک فوز المبین۔ ان سے ترک ضلال مبین۔

آیتِ تطہیر کا اوّل و آخر

یَا نِسَاءَ النبی لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِنَ النساءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بالقول فَیَطْمَعَ الذی فی قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَقُلْنَ قولاً معروفاً ولا تبرجن تَبَرُّجَ الجاھلیۃِ الاُولیٰ وَاَقِمْنَ الصَّلوٰۃَ وَاٰتِیْنَ الزکوٰۃَ وَاَطِعْنَ اللہ وَرَسُوْلَہٗ۔ انما یُرِیْدُ اللہ لِیُذْھِبَ عنکم الرجس ویُطَھِّرَکُمْ تطھیرا۔ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیاتِ اللہ وَالحِکْمَۃِ اِنَّ اللہ کَانَ لَطِیْفاً خَبِیْرا۔ اے نبی کی بی بیو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو لچکنی چپڑی باتیں نہ کیا کرو ورنہ جن کے دل میں برائی کا روگ ہے وہ تمہاری طرف راغب ہونے لگیں گے۔ تم صاف صاف بات کہا کرو اور جاہلیت کے زمانہ کی عورتوں کی طرح بناؤ سنگار نہ کیا کرو۔ نماز پڑھا کرو۔ زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بس نسبت کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر قسم کی برائی کو دور رکھے اور پاک کر دے جو حق پاک کرنے کا ہے اور تمہارے گھروں میں آیات خدا اور جو حکمت کی باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کا ذکر کیا کرو بیشک اللہ بڑا مہربان اور خبردار ہے۔

حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ آیتِ تطہیر کے اول و آخر چونکہ ازواج کا تذکرہ ہے لہذا اہلبیت سے مراد ازواج ہیں۔

ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت جامع القرآن کی چالاکی ہے کہ انہوں نے آیتِ تطہیر کو بے جوڑ یہاں رکھ دیا ہے۔ اگر یہ آیت ازواج کی شان میں ہوتی تو اول و آخر آیات کی طرح یہاں بھی جمع مونث کی ضمیریں ہوتیں نہ کہ مذکر کی۔ دوسرے جب مقدم آیات میں ڈانٹا جاتا ہے مؤخر آیات میں تنبیہ ہو رہی ہے تو بھلا بیچ میں یہ تعریف و توصیف اور ذکر فضل و کرم کیسا؟ ایسا بے ربط کلام تو بندہ کا بھی نہیں ہوتا نہ کہ خدا کا۔

یہ محض دھوکہ ہی دھوکہ ہے کہ اول و آخر چونکہ نسا نبی کا ذکر ہے لہذا بیچ میں بھی انہی کا ذکر ہونا چاہیئے۔ ورنہ کلام بے ربط ہو جائیگا ایسی مثالیں قرآن میں اور جگہ بھی ملتی ہیں۔ ذرا سورۂ یوسف کو پڑھو۔ جب جناب یوسف زلیخا کے پنجہ سے نکل کر بھاگے اور وہ بے تابانہ ان کے پیچھے دوڑی تو دونوں کو دروازہ پر عزیز ملا۔ زلیخا نے از روئے مکاری کہا یہ میری آبرو ریزی کرنی چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ محاکمہ ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ بس جب حضرت یوسف بے گناہ ثابت ہوئے تو عزیز نے زلیخا کو ڈانٹ کر کہا اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْم (یہ تمہارا مکر تھا اور تم عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے) یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا (اے یوسف اب اس قصہ کو چھوڑو اور اسے معاف کر دو) وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ

انّکِ کُنتِ مِنَ الخاطِئِین (اے زلیخا تو اپنے قصور کی معافی مانگ بے شک تو ہی خطا وار تھی) یہاں بھی کلام کا پہلا اور آخر حصہ زلیخا سے متعلق ہے اور بیچ کا حصہ حضرت یوسف سے۔ چونکہ دونوں فریق عزیز کے سامنے حاضر تھے لہٰذا پہلے ایک سے مخاطبہ کیا پھر دوسرے سے پھر پہلے سے بس یہی صورت بعد۔ آیت تطہیر میں ہے۔ خدا کے سامنے دونوں فریق حاضر تھے ازواجِ نبی بھی اور اہلبیت بھی۔ پہلے ازواجِ نبی کو ڈانٹا گیا پھر اہلبیت کی تعریف کر کے بتایا گیا کہ ایسی کیوں نہیں بنتی۔ اس کے بعد پھر ان کو نصیحت کی گئی۔

حُرّہ بنتِ حلیمہ سعدیہ کا مناظرہ حجاج سے

حجاج بن یوسف پکا دشمنِ اہلبیت تھا۔ اس ظالم نے چُن چُن کر دوستانِ اہلبیت کو قتل کیا تھا۔ ایک روز اس نے جنابِ حُرّہ کو اپنے دربار میں بلا کر کہا کیا تو علیؑ کو خلفائے ثلثہ پر فضیلت دیتی ہے۔ انہوں نے کہا ثلاثہ بیچارے کس میں ہیں میں تو علیؑ کو بعض فضائل میں انبیاء سے بھی افضل جانتی ہوں۔ یہ سننا تھا کہ حجاج غصہ سے تھرا گیا اور کہنے لگا یا تو اپنے اس قول کو ثابت کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ انہوں نے کہا سُن میں ابھی ثابت کرتی ہوں۔

آدمؑ کے متعلق ہے فَعَصیٰ آدَمُ رَبَّہٗ فَغَویٰ آدمؑ نے اپنے رب کی نہی پر عمل نہ کیا پس نقصان اٹھایا یعنی گیہوں کھا کر جنت سے نکل گئے لیکن علیؑ نے باوجودِ ممانعت نہ ہونے کے محض قربۃً الی اللّٰہ اس کو نہ کھایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

آدَمُ قَدْ اَکَلَ الحِنطَۃَ وَاللّٰہُ نَھیٰ   وَعَلیٌّ تَرَکَ الاَکلَ لِقَصدِ القُرُبِ

اسی لئے تو خدا نے فرمایا ہے کانَ سَعْیُکُمْ مَشکُوراً امرِ دین میں اے اہلبیت تمہاری کوشش مشکور ہے۔

نوحؑ۔ خدا کفار کے لئے زوجہ نوح و لوط کی مثال بیان کرتا ہے اِمرَأۃَ نُوحٍ وَامرَأۃَ لُوطٍ کَانَتَا تَحتَ عَبدَینِ مِنَ الصّالِحین اور زوجہ علی فاطمہ ہیں جن کی رضا سے خدا راضی اور غضب سے غضبناک ہے۔

ابراہیم۔ قالَ اِبراھِیمُ رَبِّ اَرِنی کَیفَ تُحیِ المَوتیٰ قالَ اَوَلَمْ تُؤمِن قالَ بَلیٰ وَلٰکِن لِیَطمَئِنَّ قَلبی ابراہیم نے کہا اے میرے پالنے والے مجھے یہ دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا کیا تم ایمان نہیں لائے۔ کہا لایا تو ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ اور میرے مولا علی کا مقولہ ہے لَوکُشِفَ الغِطاءُ لَمَا ازدَدتُ یَقِیناً اگر پردے میری نظر کے سامنے سے اٹھ جائیں تب بھی میرے یقین میں زیادتی نہ ہو گی۔

موسیٰ کے بارہ میں ہے فَخَرَجَ مِنھا خائِفاً یَتَرَقَّبُ موسیٰ شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے اور میرے مولا شبِ ہجرت فرشِ رسول پر سوئے اور ذرا خائف نہ ہوئے۔

داؤد کے متعلق ہے یا داؤدُ اِنّا جَعَلناکَ خَلیفَۃً فِی الاَرضِ فَاحکُم بَینَ النّاسِ بِالحَقِّ وَلا تَتَّبِعِ الھَویٰ اے داؤد ہم نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرو۔ حضرت داؤد باوجود خلیفہ ارض ہونے کے ایک قضیہ کو نہ سمجھ سکے۔ قضیہ یہ تھا کہ ایک روز دو آدمی آپ کے پاس جھگڑا کرتے ہوئے آئے اور ایک نے کہا کہ میرا انگوروں

کا باغ اس کی بکریوں نے کھالیا ہے۔ حضرت داؤد نے فیصلہ کیا کہ بکریاں بیچ کر اس کی قیمت باغ میں صرف کرے تاکہ وہ پودے اپنی اصلی حالت پر آجائیں۔ حضرت سلیمان نے یہ سُنکر کہا۔ بجائے بکریاں بیچنے کے دودھ کی قیمت صرف کی جائے قرآن میں ہے فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ہم نے اس قضیہ کا سلیمان کو سمجھا دیا اور میرے مولا علی کا قول ہے سَلُونِي قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُونِي عَمَّا فَوْقَ الْعَرْشِ عَمَّا تَحْتَ الْاَرْض سلیمان نے دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِي اے خدا مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ انہوں نے ملک پانے کی خواہش کی اور میرے مولا نے فرمایا یادُنیا طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ لِي فِيكِ اے دنیا میں نے تجھے تین طلاق دیں اب میں تیری طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

عیسیٰ کے بارہ میں ہے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود سمجھو۔ اور میرے مولا کو نصیریوں نے خدا کہا تو کوئی جواب طلب نہ ہوا۔ حجاج جواب تو کیا دیتا غصہ میں آکر قید کرنے کا حکم دے دیا۔

وارث کتاب اللہ کی شان

کسی آسمانی کتاب کا عالم و وارث ان تمام باتوں پر قادر ہونا چاہیئے جن کی وہ کتاب خود مدعی ہو۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيعًا یہ وہ قرآن ہے کہ پہاڑ اس کی وجہ سے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں زمین کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ مردے بول اُٹھتے ہیں۔ بس عالمانِ کتاب میں بھی یہ خصوصیت ہونی چاہیئے۔ (۱) مباہلہ کو جب اہلبیت نکلے تو نصاریٰ نجران کے اسقف نے کہا "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ جگہ سے ہٹ جائے تو ضرور ہٹ جائے گا۔" دیکھا جو صفت پہاڑ ہٹانے کی قرآن کی سورت میں ہے وہ وارثانِ کتاب کی صورت میں ہے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ (۲) امیر المومنین علیہ السلام صفین کو جا رہے تھے راہ میں پانی کی تکلیف ہوئی۔ لوگوں نے حضرت سے شکایت کی۔ آپ نے ایک مقام پر نیزہ مارا فوراً پانی وہاں سے نکل پڑا۔ (۳) ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی آپ کے جد کی حدیث ہے کہ جو کوئی سورہ فاتحہ ستر بار پڑھکر مریض پر دم کرے تو وہ شفایاب ہوگا اور اگر مردہ پر دم کرے تو قدرتِ خدا سے بعید نہیں کہ وہ جی اُٹھے لیکن میں نے تو ایک مریض پر سینکڑوں بار دم کیا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا ذرا مجھے بھی اس مریض کے پاس لے چلو۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس مریض کا بازو پکڑ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا مریض فوراً اٹھ بیٹھا۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے کہا اس وقت میں بالکل اچھا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے شخص میں نے تو ابھی سورۂ فاتحہ پڑھی بھی نہیں۔ آگاہ ہو کہ میرے جد نے صحیح فرمایا ہے لیکن اس کے لئے سچی زبان درکار ہے۔

معنی صبر اور جواز گریہ

صبر کے معنی ہیں كَفُّ النَّفْسِ عَمَّا لَا يَنْبَغِي اپنے نفس کو ناسزا امور سے روکنا۔ مصائب و شدائد میں چپ چاپ بیٹھ رہنے

کا نام صبر نہیں۔ دیکھو قصہ یعقوب جس وقت حضرت یوسف نے بن یامین کو اپنے پاس رکھ لیا اور برادرانِ یوسف نے یہ حال واپس
آکر بیان کیا تو حضرت یعقوب نے فرمایا فصبرٌ جمیلٌ اور اُن کے بیٹھ پھرتے ہی فرمایا یا اَسَفٰی علیٰ یوسُفَ ہائے یوسف پر افسوس
یہاں یا حرف ندبہ ہے اور ندبہ باآواز بلند رونے اور فریاد کرنے کو کہتے ہیں وَابْیَضَّتْ عَیْنَاہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ رونے سے آنکھیں
چلی گئیں۔ پس معلوم ہوا کہ رونا خلافِ صبر نہیں کیونکہ حضرت یعقوب نے اس کو صبرِ جمیل فرمایا ہے۔ بلکہ رونا اور اپنے حزن و ملال
کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ ہی
سے کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت ایوب کا رونا مشہور ہے مگر ان کو صابر کہا گیا ہے اگر رونا خلافِ صبر ہوتا تو فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا
کَثِیْرًا (کم ہنسو اور زیادہ روؤ) نہ کہا جاتا۔ دوسرے موقع پر کہا گیا ہے اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ (
کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو ہنستے ہو اور روتے نہیں) ایک اور جگہ ہے اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا (جب
آیاتِ خدا ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدے کے لئے گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں۔ بلکہ نہ رونا صفات مذمومہ سے ہے ثُمَّ قَسَتْ
قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ
مِنْہُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اس کے بعد دل سخت ہو گئے پس وہ پتھر جیسے یا اس
سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پتھروں میں سے تو نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جب شق ہوتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا
ہے۔ اور بعض خوفِ خدا سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا جو آدمی روتا نہیں اس کا دل پتھر
سے بھی زیادہ سخت ہے۔ غور کرو جب رونا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ مقتضائے انسانیت اور موافق فطرت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میت پر رونے
سے وہی سے حرام ہو جائے۔

بے صبری رونے کو نہیں کہتے بلکہ فعل فاعل پر اعتراض کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قصہ جناب موسیٰ و خضر سے ظاہر ہے قَالَ لَہٗ
مُوْسٰی ھَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا یعنی جناب موسیٰ نے کہا اگر تم مجھے تعلیم دے دو تو میں تمہارے ساتھ ہو جاؤں
جب ساتھ ہو گئے اور حضرت خضر کے فعل پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا کیا میں نے نہیں
کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتے۔

فرق علم و معرفت

اگر حقیقت شے اور ذات شے کو جانا جاتا ہے تو اس کو علم کہتے ہیں اور اگر آثار سے کسی شے کو جانا جاتا ہے تو اس کو معرفت کہتے
ہیں۔ اللہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا فلاں عَلِمَ اللّٰہ بلکہ یہ کہا جاتا ہے فلاں عَرَفَ اللّٰہ۔

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

سورۃ سبا میں ہے یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ جن حضرت

سلیمان کو محراب ہائے عبادت انبیائے سابقین اور ان کی تمثالیں بنا دیا کرتے تھے اور حضرت سلیمان بغرض تذکر بنوایا کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکر کی غرض سے تمثالیں بنوانا جائز ہے مگر غرض وہی ہونی چاہیئے جو حضرت سلیمان کی تھی۔ جو شخص تماثیل کو بذاتہا صاحب اثر سمجھے وہ کافر ہے۔ تمثال تصویر کو نہیں کہتے بلکہ مجسمہ کو کہتے ہیں قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو۔ ذوالجناح کوئی بت نہیں مورت نہیں اصلی جانور ہے محض ایک واقعہ کے تذکر کی وجہ سے اس کو بنایا جاتا ہے۔ جن چیزوں سے تذکر مقصود ہوتا ہے اُن کی تعظیم بھی جائز ہے۔ قرآن میں ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔) وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (اور حج میں قربانی کے اونٹ کو بھی ہم نے شعائر اللہ میں سے بنایا) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے قلب کی پرہیزگاری کا نشان ہے) تعظیم کے معنی سجدہ کرنے کے نہیں بلکہ ان کو دیکھ کر خدا کی یاد کرنے اور ذکر کرنے کے ہیں۔

ذوالجناح کو مس کرنا اور بوسہ دینا جائز ہے

جس طرح اشیائے متبرکہ کی تعظیم جائز ہے اسی طرح مس کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت رسولخدا جب صبح کو اصطبل میں تشریف لے جاتے تھے تو گھوڑوں کی پیشانیوں پر ہاتھ پھیر کر فرماتے تھے اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (روز قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر وابستہ ہے) اور جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے تو ان کی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ غرضکہ مس کرنا باخیر و برکت چیزوں کا جائز ہے اسی طرح بوسہ دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ تو اظہار محبت کا نشان ہے۔ ماں باپ بیٹے کا منہ چومتے ہیں۔ مگر اس کی تعظیم کے لئے ایسا نہیں کرتے۔ جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں۔ غلاف کعبہ کو بوسہ دیتے ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ بلکہ اشیائے متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں۔ گوسالہ سامری کے بولنے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت جبریل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک اس کے اندر تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت شے سے منسوب ہوتی ہیں تو وہ بھی باخیر و برکت اور صاحب اثر ہو جاتی ہیں۔ یہی اثر خاک شفا میں ہے۔ پس جو چیزیں اولاد انبیاء سے منسوب ہوں وہ کیوں باخیر و برکت نہ ہوں۔

حضرت موسیٰ کی موت کا قصہ

جب حضرت موسیٰ کے پاس ملک الموت آئے تو پوچھا کیوں آئے کہا قبض روح کے لئے فرمایا کہاں سے قبض کرو گے کہا منہ سے فرمایا جس سے میں نے توریت کی تلاوت کی ہے۔ کہا دماغ سے۔ فرمایا جس پر انوار الٰہی کی تجلی ہوئی۔ کہا آنکھوں سے۔ فرمایا جس سے نور خدا کا جلوہ دیکھا۔ کہا پیشانی سے۔ فرمایا جو سجدۂ خدا میں جھکی۔ کہا سینہ سے۔ فرمایا جو آیات الٰہی کا خزانہ ہے۔ کہا ہاتھوں سے فرمایا جنہوں نے توریت کو اٹھایا۔ کہا پیروں سے فرمایا جو طور کی طرف بڑھے۔ ملک الموت یہ سنکر واپس گئے اور قصہ بیان کیا۔ حکم ہوا ابھی موسیٰ ابھی اپنی موت کی طرف مائل نہیں۔ آخرکار ایک روز جناب موسیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص قبر کھود رہا ہے۔ پوچھا کس کے واسطے

کھودتا ہے۔ کہا ایک مخلص بندے کے لئے۔ فرمایا اس نیک کام میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ الغرض جب قبر تیار ہوئی تو وہ شخص کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ پوچھا کیا دیکھتے ہو۔ کہا جس شخص کیلئے کھودی ہے ٹھیک ہے یا نہیں۔ فرمایا اس کا قد میری برابر ہوگا یا نہیں۔ کہا بس ایسا ہی قد ہے۔ فرمایا اچھا میں لیٹ کر دیکھتا ہوں۔ لیٹتے تو خدا نے ان کے مقامات دکھا دیئے۔ جناب موسیٰ نے عرض کی خداوندا مجھے اب اپنے پاس بلا لے۔ ملک الموت (قبر کھودنے والے) حاضر تھے ہی حکم ہوا فوراً روح قبض کر لو۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ موت روح انبیا کی تابع ہے۔ حضرت موسیٰ کی طرح ملک الموت روز عاشورہ بھی آئے۔ لیکن یہاں ملک الموت کا بیان کچھ اور تھا عرض کیا بارالہا کیسے اس عاشق صادق کا کوئی عضو سلامت نہیں تمام بدن چور چور ہے کہاں سے روح قبض کروں۔ خطاب الٰہی پہنچا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ اے حسین کے نفس مطمئنہ تو خود برضا و رغبت اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔

فرق خلافت و ولایت

شیعہ واقعہ غدیر سے خلافت امیر المومنین علیہ السلام پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسامحہ ہے کیونکہ واقعہ غدیر خم میں ذکر ولایت ہے نہ کہ ذکر خلافت اور خلافت ولایت سے اخص ہے یعنی خلافت ولایت کے تحت میں داخل ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام موافق آیۂ انما ولیکم اللہ اس سے بہت پہلے ولی بن چکے تھے۔ ولایت تمام ملکوت عالم پر تصرف کا نام ہے اور خلافت صرف شریعت اسلام کی محافظت ہے۔

خدا اور بندوں کے درمیان نبی واسطہ ہے

اوّل دین معرفت خدا ہے لیکن خدا ہمارے کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہوتا پھر اس کی معرفت کیونکر ہو۔ آنکھ تمام حواس میں بہترین ذریعہ معرفت ہے۔ لیکن اس مقام پر وہ بالکل بیکار ہے کیونکہ اس سے دیکھنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے اول رنگ دوسرے فاصلہ مناسب تیسرے جسم اور پھر جسم کے لئے جہت اور مقدار کی ضرورت ہے۔ اگر فاصلہ بہت ہی کم یا بہت ہی زیادہ ہوگا تب بھی کوئی شے دکھلائی نہ دے گی۔ خدا کے لئے ان چیزوں میں ایک بھی نہیں۔ اگر وہ نظر آنے کے قابل ذات ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی کو نظر آتی اگر موسیٰ طور پر نہ دیکھ سکتے تو محمد مصطفیٰؐ تو کم از کم قاب قوسین او ادنیٰ پر دیکھ لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ناقص ذات کامل ذات کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ آنکھ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔ جب تک کوئی واسطہ بیچ میں نہ ہو جیسا کہ بادل یا سیاہ پردہ یا سیاہی لگا ہوا شیشہ۔ پس جس ذات کی معرفت میں حواس بیکار ہوں تو وہاں کسی حس کامل سے مدد لینی چاہیئے اور جب عقلیں ناقص ہوں تو کسی عقل کامل سے مدد حاصل کی جائے۔ خدا و بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہونا چاہیئے یہی واسطہ رسول ہے جو اُدھر کی تجلّی اِدھر پہنچاتا ہے۔

براہمہ کا اعتراض ہے کہ اگر رسول مخالف عقل کہتا ہے تو ضرورت نہیں اور اگر موافق عقل کہتا ہے تو ضرورت نہیں کیونکہ

عقل اس بات کو خود ہی معلوم کرے گی۔ لیکن جب معرفت کا موقع آتا ہے تو ان کو کبھی ایک واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ بتول کو وسیلہ معرفتِ الٰہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ جتنا واسطہ ناقص ہوگا۔ اتنا ہی معرفت میں نقص رہے گا۔ جمادات کے وسیلہ سے معرفت کا اور مرتبہ ہے کیونکہ وہ حد درجہ پست درجہ میں ہے اور نباتات وحیوانات سے اور۔ لیکن اگر کسی انسانِ کامل کو واسطہ قرار دیا جائے تو اس کا اور مرتبہ ہے اور پھر وہ انسانِ کامل بھی کیسا کہ اس کی ذات کو پہچاننے کے لئے ایک اور واسطہ کی ضرورت پڑے اور آئینہ کے سامنے ایک اور آئینہ لگے۔

جب تک کوئی شے ناقص رہتی ہے اس کی تعلیم کی ضرورت رہتی ہے بچوں کی تعلیم اس وقت تک جاری رہتی ہے۔ جب تک وہ محتاجِ تعلیم رہتے ہیں معلّم ان کو بتاتا رہتا ہے کہ کون شے مضر ہے اور کون مفید۔ بچہ کبھی ظاہری فریب کاریوں پر شیفتہ ہو کر مضر کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ مگر معلّم اس کو روکتا ہے۔ اور جب تک کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ جاتا اسے تعلیم دیئے ہی جاتا ہے۔ جب معلّم کی ضرورت نہیں رہتی تو سلسلۂ تعلیم بند کیا جاتا ہے۔ ہر متعلم پر اپنے معلّم کی اطاعت فرض ہے۔ رسول کا مطاع صرف خدا ہے اور اولی الامر کا مطاع خدا اور رسولؐ ہے اور ہمارے مطاع اولی الامر اور رسول اور خدا ہیں جو اپنے مطاع کی اطاعت کرتا ہے وہ بالطبع اس پر مہربان ہو کر اس میں کمال پیدا کرنے کی خود کوشش کرتا ہے۔ حدیث قدسی ہے عَبْدِیْ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ مِثْلِیْ اے میرے بندے تو میری اطاعت کر میں تجھے اپنا ہی جیسا بنالوں گا۔ عبد سے کون مراد ہے؟ اگرچہ یہ لفظ اکثر انبیاء کے لئے آیا ہے لیکن یہاں وہی عبد مراد ہے جس کی عبدیت کو آیۂ سبحان الذی اسریٰ میں اپنی طرف نسبت دی ہے۔ مثل بنانے سے کیا مراد ہے؟ یعنی جس قدر امکان مثلیت ممکن ہے اتنا بنائے گا۔ جس قدر ایک بندے میں صفاتِ الٰہیہ جلوہ نما ہو سکتی ہیں اتنا ہی مثل بنائے گا۔ اس کے حدوث کو اتنا بلند کرے گا کہ واجب اور اس ممکن کے درمیان اور کوئی چیز واسطہ نہ ہوگی۔ سمجھانے کے لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ حدوث کی حد واجب سے ملا دی جائے گی۔

بدر دلقیں پردہائے خیال نماند سرا پردہ الا جلال

خدا کی مثلیت کا شرف حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے مگر محمدؐ و آلِ محمدؐ جن کی اطاعت خدا کی شان میں یہ ہے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔

معرفت سببِ محبتِ خدا ہے

دنیا میں چار قسم کی چیزیں ہیں اول جو نہ مفید ہے نہ ضروری جیسے عمل بد دوسرے جو مفید تو ہے مگر ضروری نہیں جیسے دولتِ دنیا۔ تیسرے ضروری ہے مگر مفید نہیں جیسے موت۔ چوتھے مفید بھی ہے اور ضروری بھی جیسے سانس۔ ہر سانس میں دو نعمت موجود۔ سعدی شیرازی نے گلستاں میں فرمایا ہے۔

"در ہر نفس دو نعمت موجود چوں فرو میرود ممدِ حیات است چوں بیروں مے آید مفرحِ ذات"

جب تک سانس رہتاہے انسان انسان رہتاہے۔ آخر سانس تک انسان عزیز ہے۔ لیکن سانس نکل جانے کے بعد وہ
لی بیکار ہو جاتا ہے۔ ماں بچہ کو پالتی ہے پرورش کرتی ہے سینہ سے لگائے پھرتی ہے جب تک اس کا سانس چلتا رہتا ہے
ہر اپنے سے جدا نہیں کرتی لیکن سانس کے نکلتے ہی وہ سب چاؤ پیار رخصت ہو جاتاہے اور فوراً اس کو گود سے علیحدہ کر دیا
ہے کوئی عقلی قانون اس کے بعد اس کو محبت کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ جو شئے اس میں محبت کے لائق تھی
رہی۔ اب ماں پر کوئی الزام ترک محبت اور قبر میں دفن کرنے کا عاید نہیں ہو سکتا۔ پس اسی طرح جب تک کسی میں ایمان و
رفت کا سانس پایا جاتا ہے وہ محبت کے قابل رہتا ہے اور جب یہ چیز نہیں رہتی اور وہ کفر کی حد میں آجاتاہے تو خداوند عالم
ں کو قعر جہنم میں ڈال دیتاہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردہ کی طرح کفار و مشرکین کو بھی نجس قرار دیا ہے کیونکہ ایمان و معرفت
سانس اُن کے اندر باقی نہیں اب ان کی مخالطت سے سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔

ظلّ الٰہی

انبیاء ظلِّ الٰہی ہیں۔ خدا نے ہر اسم کے مقابل ایک ذات کو پیدا کیا ہے کوئی مظہر ذاتِ رحمٰن ہے کوئی مظہر ذاتِ رحیم۔ اسی
ح اور صفات ہیں۔ انبیاء ظلِ الٰہی تو ہیں مگر ظلِّ ناقص ہیں کیونکہ جس صفتِ خاص کے مظہر بنائے گئے ہیں۔ بس اسی صفت کو
ہر کرتے ہیں۔ اگر جسم انسان کے ایک حصہ کا سایہ پڑے تو وہ ظلِّ ناقص ہوگا۔ لیکن ایک ظلِ کامل بھی ہے جس میں یہ سب ظل سمائے
ئے ہیں جو تمام صفاتِ باری کا مظہر ہے وہ ذاتِ ختم الانبیاء ہے جس میں تمام خصائص انبیاء پائے جاتے ہیں۔ تمام انبیاء نگینوں
طرح آس پاس ہیں اور بیچ میں جو ہر اعلیٰ ہے۔ اگرچہ تنہا آیا ہے مگر سب کو ساتھ لے کر آیا ہے اور جو اس ذات کا مظہر ہے اُس
ں بھی یہ تمام صفات موجود ہیں۔ یعنی حضرت علیؑ کی ذات میں تمام انبیاء کی صفات موجود تھیں۔ حضرت رسولِ خدا یوں بھی ظلِ
ہیں کہ ظل کا ظل نہیں ہوتا۔

عصمتِ انبیا

دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک اکتسابی دوسرے وہبی۔ اکتسابی امور کو انسان اپنی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے لیکن وہبی
ں سعی انسانی کا تعلق نہیں۔ انسان جبّن نہیں بن سکتا۔ لمبے قد کا انسان چھوٹے قد کا نہیں ہو سکتا جو شئے انسان کی طاقت سے باہر
ہے اگر اس میں وہ اپنے معاون بھی پیدا کرے تب بھی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جن امور میں اس کی طاقت کام دے سکتی ہے وہ اُس میں
وسروں سے بھی مدد لے سکتا ہے مثلاً دس من کا پتھر وہ تن تنہا نہیں اٹھا سکتا لیکن معاونوں کے ذریعہ سے ایسا کر سکتا ہے مگر یہ اعانت
ن امور میں مفید نہیں جن کا تعلق اس کی طاقت و قوت سے نہیں عصمت کوئی اکتسابی چیز نہیں کہ پیدا کرنے سے پیدا ہو سکے بلکہ یہ
کل خدا ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کسی مقام پر بہت سے لوگوں کے جمع ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناممکن شئے کا حصول

ممکن ہو جائے گا مثلاً اگر ایک جاہل کسی مسئلہ کی تحقیق میں اپنے بہت سے جاہل معاون پیدا کرے تو ان کے اس اجماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اب عالم بھی ہو گئے۔ اگر ایک اندھا اپنے ساتھ بہت سے اندھے لے کر کسی راستہ پر چل پڑے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بینا بھی ہو گئے۔ پس اسی طرح کسی گروہ کے وہ افراد جو فرداً فرداً جاہل ہوں۔ کسی امر پر اجماع کر لیں تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ وہ سب عالم ہو گئے یا ان میں عصمت پیدا ہو گئی۔ عصمت تو پیدا کرنے کی چیز ہی نہیں وہ تو عطیہ الٰہی ہے۔

ایک بات یہ بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ محض عصمت منصبِ امامت و خلافت کا مستحق نہیں بناتی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ملائکہ معصوم ہیں لیکن منصبِ امامت و خلافت ان کو نہیں دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ منصب امامت سے بالاتر کوئی شے ہے جو منصب امامت و رسالت پر فائز کرتی ہے۔ غور کرو تب ملائکہ جیسی عصمت منصب خلافت نہ دلا سکی تو خطا کار و ملکا معصیاں کیونکر مستحق خلافت بنا سکتا ہے اور ملائکہ میں بھی وہ ملک اس منصب کو نہ پا سکا جو ان سب کا سردار ہے یعنی جبرئیل۔ پس معلوم ہوا کہ اس کیلئے کوئی دوسرا شخص درکار تھا جو عصمت کے علاوہ کوئی اور چیز بھی رکھتا ہو۔ وہ جبرئیل نہیں ہو سکتے بلکہ استاد جبرئیل ہو سکتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ اگر ہم اپنا رسول کسی فرشتے کو بناتے تو البتہ اس کو مرد بناتے۔ یہ رجل کا لفظ بھی خاص طور سے قابلِ توجہ ہے معلوم ہوا کہ منصب امامت کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو رجل ہو۔ خیبر میں جو رسول اللہ نے رایت دیا تھا تو یہی فرمایا تھا رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ۔ پس تب صرف خیبر کی سرداری اور علمداری غیر رجل کو نہ مل سکی تو دنیا کی سرداری کب کسی دوسرے کو مل سکتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ہو بھی جائے تو رسالت خود اس سے چھننے لگے گی۔ اگر دیکھنا ہو تو کوئی سورہ دیکھ لو۔ سورہ برأت کے متعلق یہ حکم ہوا تھا یا ایہا الرسول لَا يُؤَدِّيهَا إِلَّا أَنْتَ أَوْ رَجُلٌ مِنْكَ (اسے نہیں پہنچا سکتا کوئی مگر تم یا وہ مرد جو تم میں سے ہو) یہاں بھی رجل ہی کا لفظ ہے پس معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ شجاعت بھی ضروری ہے۔

لوگ آیتِ تطہیر سے صرف عصمتِ اہلبیت ثابت کرتے ہیں میں کہتا ہوں عصمت تو تمام انبیاء میں ثابت ہے پھر آیت تطہیر نے کیا فائدہ دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ آیتِ تطہیر انتہائی قربتِ ایزدی کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ یہاں اھلَ البیت سے پہلے حرف ندا نہیں ہے۔ ندا وہاں کی جاتی ہے جہاں دوری ہو چونکہ یہ حضرات انتہائی قرب میں تھے اس لئے اس طرح کلام ہوا جیسے پاس بیٹھنے والوں سے ہوتا ہے۔ ایسا ہی طٰہٰ ہے یہاں بھی یا طٰہٰ نہیں کہا گیا۔

آیتِ تطہیر نے صرف عصمت ہی کو ظاہر نہیں کیا کیونکہ گناہوں کا تعلق تو کبھی ان ذوات سے ہوا ہی نہیں بلکہ اس آیت نے یہ بتایا کہ جو فطری نقص عموماً لوگوں میں ہوا کرتے ہیں خدا نے ان کو بھی ان لوگوں سے دور رکھا ہے۔ پس اب یہ معیار قرار پایا کہ اگر تمام کمیاں دور رہی ہوں تو چادرِ تطہیر میں داخل ہیں ورنہ اس سے خارج۔ لوگ کہتے ہیں کہ ازواجِ رسول بھی داخل ہیں آؤ ذرا اس معاملہ کو کسوٹی پر کس کر دیکھ لیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے عورتوں میں تین نقصان بتائے ہیں۔ ناقص العقل ہیں ناقص الایمان ہیں ناقص الحظ ہیں۔ لیکن چادرِ تطہیر میں آنے والی بی بی میں یہ نقصان نہیں وہ ناقص العقل نہیں کیونکہ مباہلہ میں ان کی گواہی ایک مرد کی برابر تھی وہ ناقص الایمان بھی نہ تھیں کیونکہ حیض و نفاس وغیرہ سے پاک و صاف تھیں اور اس وجہ سے عام عورتوں کی طرح وہ ہر

چند روز کے لئے عبادت سے باز نہ رہتی تھیں وہ ناقص الحظ بھی نہ تھیں کیونکہ رسول کا پورا ترکہ ان کو ملا۔ ازواج میں یہ سب نقصان موجود تھے لہٰذا چادر تطہیر کا گوشہ ان کے سروں پر کہاں ٹھہر سکتا تھا۔ اگر سیدہ کامل الایمان نہ ہوتیں تو کامل الایمان ان کا کفو نہ بنتا۔ اگر آیۂ تطہیر صرف عصمت ہی کو ظاہر کرتی تو جبرئیل امین اس میں داخل ہونے کی خواہش نہ کرتے کیونکہ عصمت تو انہیں پہلے ہی سے حاصل تھی۔

رسولؐ کی معرفت رکھنے والا گناہ نہ کریگا

اگر کوئی شخص صحیح معنی میں رسول کا منزلت شناس ہے تو وہ ہرگز گناہ نہ کرے گا کیونکہ گناہ اس امر کی دلیل ہے کہ انسان اپنے معبود کی شان سے ناواقف ہے ورنہ وہ کبھی ایسا کرتا ہی نہیں۔ ایک شیر کے سامنے ایک بچہ کو بھی لے جاؤ اور ایک جوان کو بھی۔ بچہ ذرا نہ جھجکے گا اور جوان تھر تھر کانپنے لگے گا۔ کیونکہ جوان اس کی شان کو جانتا ہے اور بچہ اس سے قطعاً ناواقف ہے۔ پس جو شانِ رسالت کے جاننے والے تھے وہ رسالت کا رعب اور اس کے وزن کا اثر دل پر لے رہے تھے، اور جو وزنِ رسالت کے سمجھنے والے نہ تھے ان کے نزدیک کچھ بھی نہ تھا۔ بیت اللہ میں حضرت علی وزنِ رسالت نہ اٹھا سکے اور حضرت ابوبکر غار تک لے گئے۔ رسولؐ کا یہ فرمانا کہ اے علی تم بارِ رسالت نہیں اٹھا سکتے اور میں بارِ امامت اٹھا سکتا ہوں اس امر پر دال ہے کہ جس طرح رسولؐ میں اس وقت بارِ رسالت تھا علیؑ میں بھی بارِ امامت تھا۔ پس جب حیاتِ رسول میں امامت کا وزن علی کے اندر موجود تھا تو بعدِ رسولؐ اس کو کس نے دور کیا حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں نے توحید تو کیا رسالت کو بھی نہیں سمجھا تھا۔ شک کرنے والے اس میں بھی ہمیشہ شک کرتے ہی رہے ایک موقع شک کا غار بھی تھا جہاں خدا نے شک کے شر سے بچانے کے لئے اپنے رسولؐ کی نصرت کی کیونکہ وہ خاص موقع نصرت کا تھا حضرت ابوبکر کے رونے سے قریب تھا کہ دشمن واقفِ حال بن جاتے لیکن خدا نے اس قوم کو وہاں سے ٹال دیا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا میں اِنَّ کا کلمہ تاکیدی ہے اور تاکید وہاں ہوتی ہے جہاں انکار یا شک ہو پس جب شک ثابت ہوا تو کہا گیا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے جو لوگ رسالت پر یقین رکھنے والے ہوتے ہیں وہ چاہے کیسا ہی خوف کا موقع کیوں نہ ہو کبھی جان نہیں چراتے۔ احد میں کیسی سخت لڑائی تھی کہ سب بھاگ گئے تھے مگر رسول کا حق شناس تنہا لڑتا رہا۔ بھاگنے والے باوجود رسولؐ کے پکارنے کے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ اگر پہاڑ پر نہ چڑھتے تو اچھا ہوتا۔ تمام لشکر کے سپاہی چہ مسلم وچہ کافر ان کے بلند قد پہاڑوں پر نہ دیکھتے۔ مگر وہ کہیں گے ہمارے لئے دونوں حالتیں یکساں تھیں غار میں بھی جا کر دیکھ لیا اور پہاڑ پر چڑھ کر بھی آزما لیا جو کلنگ کا ٹیکہ قسمت میں تھا وہ نہ یہاں گیا نہ وہاں۔ اب ذرا احد کے میدان کو دوسری شکل میں دیکھئے۔ سفینۂ نوحؑ کا موقع اس پر چسپاں کر کے دیکھئے وہاں کہنے والا کہہ رہا تھا یَابُنَیَّ ارْکَبْ مَعَنَا (بیٹا ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو) کنعان پسرِ نوحؑ جواب دے رہا ہے سَاٰوِیْ اِلٰی الْجَبَلِ یَعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَاءِ (میں تو پہاڑ پر پناہ لونگا وہاں مجھے پانی سے بچائے گا) وہ تو پہاڑ کا قصد ہی کرنے پر ڈوب گیا لیکن جو پہاڑ پر چڑھ ہی گیا وہ تو نہ معلوم کہاں ٹھکانا گیا ہوگا۔ عذاب کی صورت میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک آب دوسرے نار کوئی پانی میں ڈبویا گیا کوئی نارِ جہنم میں جھونکا گیا۔ سفینۂ آلِ محمدؐ خشکی میں تیر رہا تھا۔ اور رسول اُس کے ساتھ تھا پس ایسی سے روگردانی کرنے والا بچ کہاں سکتا تھا۔

اسلام کے آئین جنگ

شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ رسولؐ نے آئین جنگ کے متعلق چار باتوں کی تعلیم دی اول نیزہ دوسرے شمشیر زنی تیسرے تیراندازی چوتھے گھوڑے کی سواری۔ ہمیں اس میں کلام ہے کہ آیا یہ رسولؐ کی جنگی تعلیم ہے یا نہیں کیونکہ یہ سب باتیں اسلام کے وقت ظاہر آمد ہیں۔ رسولؐ کی اصلی تعلیم وہ تھی جس کا اظہار جناب امیر علیہ السلام نے روز جمل اپنے فرزند محمد حنفیہ سے کیا تھا پہاڑ جگہ سے ہٹ جائے مگر تم نہ ہٹنا دانت پر دانت جما کر لڑنا زمین پر میخوں کی طرح اپنے قدم جما دینا اور دشمن کی فوج کی آخری حد پر نظر رکھنا۔ وہاں تک حملہ کرنا ہے۔ یہ ہیں اسلامی مجاہد کے آئین۔

اجماع سقیفہ پر ایک نظر

اجماع کی تعریف یہ ہے اجتماع اہل امۃ علی امر دینی یعنی کسی امر دین پر تمام امت کا اجماع۔ اجماع سقیفہ میں یہ بات تھی نہ تھی۔ سعد بن عبادہ رئیس خزرج خلاف تھے۔ بنی ہاشم پورے خلاف تھے۔ علی جو برادر رسول تھے خلاف تھے۔ پس ایسی صورت میں جبکہ مہاجرین و انصار میں سخت اختلاف تھا اور منا امیر و منکم امیر کی صدائیں بلند تھیں اجماع کل امت کہاں رہا؟ خلافت پانے کے بعد خلیفہ اول نے اپنے پدر بزرگوار جناب ابو قحافہ کو ایک خط لکھا جس کی ابتداء یوں فرمائی تھی من خلیفۃ رسول اللہ الی ابیہ ابی قحافۃ قد اجتمعت الامۃ علی خلافتی الخ جب ان میں یہ خط پہنچا تو ابو قحافہ نے قاصد سے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا آپ کے فرزند خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کیا علی وہاں نہ تھے؟ اس نے کہا علی کمسن وہ کم تھے۔ کہا اگر سن کے لحاظ سے خلافت ملی ہے تو پھر مجھے خلیفہ ہونا چاہئے کیونکہ میں ابوبکر کا باپ ہوں۔ پھر خط کے جواب میں لکھا قد اعجبنی کتابک عجباً لا ینقض بعضاً تارۃ تکتب انا خلیفۃ اللہ وتارۃ تکتب انا خلیفۃ الرسول وتارۃ تکتب قد اجتمعت الامۃ علی خلافتی ساجبر ہوئے تمہارے خط نے جو پہیلیاں بجھائی ہیں اس نے مجھے سخت تعجب میں ڈالا ہے۔ کبھی لکھتے ہو میں اللہ کا خلیفہ ہوں کبھی لکھتے ہو رسول کا خلیفہ ہوں کبھی لکھتے ہو امت نے میرے اوپر اجماع کیا ہے۔ (منقول از انوار نعمانیہ)

اللہ کی طرف سے رسولؐ کے خطاب

خدا نے اپنے نبی کے نام دو طرح سے ذکر فرمائے ہیں ایک مخصوص خطاب کے ساتھ جن میں ایک قسم کی رنگینی اور پیار ہے جیسے یا ایہا المزمل۔ یا ایہا المدثر۔ طٰہٰ۔ یٰسین۔ اور بعض نہایت سادگی سے ذکر فرمائے ہیں مثلاً آیۂ آخری میں صرف محمد ذکر فرمایا ہے۔ بات یہ ہے وہ خطابات اپنی طرف سے دیئے ہیں اور یہ خطاب خود محبوب کی پسندیدگی کی بنا پر لیا ہے چنانچہ ایک بار کہا گیا اے محبوب مانگ مجھ سے کیا مانگتا ہے آنحضرتؐ نے عرض کی ذکرنی یوماً للعبد کہ ایک دن مجھے اپنا عبد کہہ کر پکارے

اپنے حبیب کی یہ انکساری ایسی پسند آئی کہ اس عبدیت کو شامل کلمۂ طیبہ کر دیا اور اس کا مرتبہ رسالت سے بڑھا یعنی پہلے عبدیت کی گواہی دلوائی پھر رسالت کی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ حقیقت یہ ہے کہ عبدیت کا مرتبہ رسالت کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ رسول وہ ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کی طرف آئے اور عبد وہ ہے جو بندوں کی طرف سے خدا کی طرف جائے بہت فرق ہے اوپر سے نیچے آنے والے اور نیچے سے اوپر جانے والے میں۔

اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کو کبھی تو ممتاز خطابات سے یاد کیا گیا اور کبھی بہت سادے طریقے سے ایمان والا کہہ کر پکارا گیا لیکن اس سادگی میں بڑا راز ہے۔ بات یہ ہے جب کسی صفت کا ظہور بار بار ہونے لگے تو وہ صفت نام بن جاتی ہے جیسے لقد انزلنا الیکم ذکراً رسولاً۔ بار بار ذکر کرنے سے رسولؐ کا نام ذکر ہو گیا۔ اسی طرح ایمان کی صفت کو بار بار کام میں لانے سے ایمان والا کہا گیا نہیں مجسّم ایمان کہا گیا بلکہ کل ایمان کہا گیا۔ جنگ خندق میں رسول اللہؐ نے فرمایا برز الایمان کلّہ الی الکفر کلّہ آیت ذیل اس کی تصدیق کرتی ہے اِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (پارہ ۲۶۔ سورۃ الحجرات قرب ثلث) یہاں علی کی ذات ایمان مجسّم ہے تو ان تینوں کی ذات کفر و فسق و عصیان مجسّم۔ ایک حدیث نے اس کی اور زیادہ توضیح کر دی حُبُّ عَلِیٍّ اِیْمَانٌ وَّبُغْضُهٗ کُفْرٌ۔

ذکر موت

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ فاذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعةً ولا يستقدمون ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ جب ان کی موت آئے گی تو نہ ایک گھڑی آگے بڑھے گی نہ پیچھے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ حیات دنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا پس زمین کی نباتات اس میں مل گئی پھر وہ تازگی کے بعد سوکھی اور پھر ہواؤں نے اس کو اڑا دیا۔

حضرت رسول خداؐ نے اپنے صحابی جناب ابوذر سے فرمایا یا اباذر اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح وخذ من صحتک قبل سقمک ومن حیاتک قبل موتک فانک لا تدری ما اسمک غداً (اے ابوذر جب تم صبح کرو تو اپنے نفس سے شام کی بات چیت نہ کرو اور جب شام کرو تو صبح کا ذکر نہ کرو بیماری سے پہلے اپنی صحت کی اور موت سے پہلے اپنی زندگی کی قدر کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کل تمہارا نام کیا ہو گا (زندہ یا مردہ)

حضرت خداؐ نے فرمایا والذی نفسی بیدہ ما طرفت عیناي الا ظننت ان شفراي لا یلتقیان حتی یقبض اللہ روحی ولا رفعت طرفی الا ظننت انی لا واضعہ حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ الا ظننت انی لا اسیغھا حتی اغص بها الموت قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے کوئی پلک نہیں ماری مگر اس گمان کے ساتھ

کہ دیکھوں اب انہیں ملنا نصیب ہوتا ہے یا موت اگر اس حرکت کو ختم کئے دیتی ہے اور کوئی پہلو نہیں بدلا مگر اس خیال کے ساتھ کہ دیکھوں موت اتنی مہلت دیتی ہے کہ پھر اسے بدل لوں اور کوئی لقمہ منہ میں نہیں رکھا مگر اس خیال کے ساتھ کہ موت اس سے مجھے سیر ہونے دے گی یا نہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کے اشعار ہیں۔

اذا عاش امرءٌ ستّین عاماً — فنصف العمر تمحقہ اللیالی

جب آدمی ساٹھ برس کی عمر پاتا ہے — تو اس کی عمر کا نصف حصہ تو راتوں میں ختم ہو جاتا ہے

ونصف النصف یمضی لیس یدری — لغفلتہ یمیناً عن شمال

اور عمر کا ¼ حصہ اس طرح گزرتا ہے — کہ آدمی غفلت کی وجہ سے داہنے بائیں میں تمیز نہیں کرتا

وثلث النصف آمال وحرص — وشغل بالمکاسب والعیال

اور نصف کے تہائی حصہ میں آرزو اور حرص ہے — اور روزی کمانے کا دھندا ہے اور اہل و عیال کی فکر ہے

وباقی العمر اسقام وشیب — وشغل بالارتحال والانتقال

اور باقی عمر میں بیماری اور بڑھاپا ہے — اور دنیا سے کوچ کی فکر ہے

جناب نوحؑ سے ملک الموت نے پوچھا آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ فرمایا لھا بابان من باب دخلت ومن باب خرجت دنیا کے دو دروازے ہیں میں ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا۔ اللہ اکبر یہ ڈھائی ہزار برس کی عمر پانے والے کا مقولہ ہے

امام کی تعریف

ملکیٌ الذا ... ہی الصفات نر ... شئ الحسنات عالم المغیبات۔ معصوم ذات ہے نورانی صفات رکھنے والا ہے نیکیاں زیادہ کر ... الا ہے اور ... کی باتوں کا عالم ہے۔

آیت تطہیر اور ازواج

آیہ ... ہم ... ہا ... سے مراد ازواج نہیں اس کی تائید حدیث ثقلین سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں عترتی اہلبیتی فرمایا گیا ہے یعنی عترت کی تفسیر اہلبیت ہے عترت میں بیویاں داخل نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک ہی اصل سے ہوں مگر تطہیر سے مراد تطہیر کامل ہے یعنی صدور ذنوب سے برأت تو یہ فضیلت ازواج کو حاصل نہیں کیونکہ ان میں سے دو کی نسبت قرآن میں یہ آیت موجود ہے ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ اگر اب تم دونوں توبہ بھی کرو تو کیا حاصل کیونکہ تمہارے دل تو ٹیڑھے ہو چکے اور اگر رجس ظاہری سے طہارت مقصود ہے تو ازواج اس سے بھی بری نہ تھیں حیض و نفاس عام عورتوں کی طرح ان کو آتا تھا۔ بحالت

جا بنت وہ مسجد نبوی میں جا نہ سکتی تھیں اور اگر طہارت عام مراد ہے تو اس میں کوئی خصوصیت نہیں

حضرت اُمّ سلمہ کا تحت کسا داخل ہونے کی خواہش کرنا اور آنحضرت کا انتِ علی الخیر فرمانا اس پر دال ہے کہ جب سب سے بہتر بی بی داخل نہ ہو سکی تو اوروں کا تو ذکر ہی کیا۔ چونکہ عترت کا لفظ تمام نسبی رشتہ داروں کو بھی شامل کرتا ہے لہذا اہلبیت کی تخصیص فرمائی تاکہ عمومیت نہ رہے۔ پھر قرآن کے ساتھ اُن کو کر کے بتا دیا کہ یہ قیامت تک آپس میں جدا ہونے والے نہیں۔ صواعق محرقہ میں ابن حجر نے علامہ طبرانی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ جناب اُمّ سلمہ ناقل ہیں کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا علی مع القرآن والقرآن مع علی اور مرتے وقت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی۔ اگر اہلبیت سے ازواج مراد ہوں تو اب اس زمانہ میں جبکہ ازواج میں سے کوئی باقی نہیں قرآن کے ساتھ کون ہوگا۔ معیت قرآن سے یہ مراد نہیں کہ اہل بیت بغل میں قرآن دبائے رہیں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن اہلبیت کے سینوں میں ہے نہ وہ ان سے جدا ہو سکتا ہے نہ وہ اُس سے۔ دنیا میں ہمیشہ اہلبیت میں سے ایک ایسا شخص موجود رہے گا جو حامل قرآن ہو جو تمام قرآن کا حقیقی علم رکھتا ہو بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ انہی کی شان میں ہے وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ انہی کی تعریف میں ہے۔

قیامت میں دونوں ابراہیمی سلسلے ملیں گے

حضرت اسحاقؑ سے حضرت عیسیٰؑ ہیں اور حضرت اسمٰعیل سے حضرت محمد مصطفیٰؐ خدا نے ان دونوں سلسلوں کو آخر میں اس طرح ملایا کہ حضرت امام حسن عسکری کو تو لیا اولاد حضرت علیؑ سے جو وصی حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں اور حضرت ملیکہ (نرجس خاتون) دختر قیصر روم کو لیا اولاد شمعون سے جو وصی حضرت عیسیٰ ہیں اور ان دونوں سے حضرت حجت کو خلق فرمایا اور دونوں سلسلوں کو قیامت میں یکجا کر دیا چونکہ سلسلۂ اسمٰعیل قوی تر تھا اس لئے حضرت عیسیٰ مقتدی بنے اور حضرت حجت مقتدا یہ دونوں سلسلے آئے ہیں لڑکیوں ہی کی طرف سے۔

غیب سے کیا مراد ہے

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ اس غیب سے مراد قیامت نہیں کیونکہ قیامت کا ذکر صاف آخر آیت میں موجود ہے وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غیب خدا نے کن چیزوں کو کہا ہے يَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اُس پر اُس کے پروردگار کی کوئی آیت نازل ہوئی کہدو غیب (مراد آیت) تو بس اللہ ہی کے لئے ہے پس تم اُس آیت کے آنے اور ظاہر ہونے کے منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ اس آیت میں آیت اللہ کو غیب سے تعبیر کیا گیا ہے اور اللہ کی سب سے بڑی آیت حجت اللہ ہے کیونکہ تمام آیات کا ظہور اسی کے وجود پر موقوف ہے۔ ایک اور مقام پر خدا نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو آیت فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً

حضرت یوسف کو جو آیت خدا اور حجت خدا ہیں صاف لفظوں میں غیب کہا ہے۔ فقال ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک و ماکنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون اے حبیب یہ غیب کی چیز ہے جو ہم تجھ کو وحی کرتے ہیں اور تو اس وقت ان کے (برادران یوسف) پاس نہیں تھا جبکہ انہوں نے اپنی رایوں سے اتفاق کیا اور ایک مکر کی چال چلے۔ خدا اس قصہ یوسف کو غیب کی خبر کہتا ہے۔ پس لابد صاحب قصہ غیب ہے ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اس وقت قصہ یوسف عالم شہود میں آچکا تھا اور کتب سابقہ میں موجود تھا اور یہود و نصاریٰ اور ان کے علماء اس کے عالم تھے۔ پس ضرور غیب سے مراد وہی بزرگوار ہیں جن کا قصہ بیان کیا گیا ہے پس جو شخص رسول اللہ کے بارہویں وصی پر ایمان نہ رکھتا ہوگا اس کا تمام ایمان ضائع ہو جائے گا جیسا کہ خدا فرماتا ہے یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا جس دن تیرے رب کی بعض آیات آئیں گی تو کسی ایسے نفس کو جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہوگا اس وقت ایمان لانا اور کسب خیر کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا یعنی جو حضرت کے خروج بالسیف سے پہلے ایمان لایا ہوا نہیں ہے اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا پس یومنون بالغیب سے مراد قیامت کبریٰ نہیں۔ قیامت پر تو سارے ہی مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ تک ایمان رکھتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ وہ سب ناجی ہوں۔

رحمتہ للعالمین کی شان

حضرت نوحؑ نے اپنی امت کے مظالم سے تنگ آکر بد دعا کی تھی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا لیکن ہمارے رسولؐ نے کبھی بد دعا نہ کی۔ جب طائف میں آپ پر زیادہ ظلم ہوئے تو لوگوں نے کہا آپ بد دعا کیجئے۔ فرمایا میں بد دعا نہ کروں گا اگر یہ ایمان نہیں لائے تو ان کی نسلیں ایمان لائیں گی۔ حضرت نوحؑ کو اپنی ناشنوا امت کی آئندہ نسلوں میں برابر کافر ہی ہونے کا اندیشہ رہا تھا لیکن ہمارے نبیؐ کو ان کو قریش کے اعقاب سے موحدین کے پیدا ہونے کا یقین کامل ہے۔ اس لئے حضرت نوحؑ ہاتھ اٹھا کر بد دعا کرتے ہیں اور ہمارے حضرتؐ سر جھکا کر صبر فرماتے ہیں۔

سولی پر چڑھنے کے وقت حضرت عیسیٰ کی زبان پر یہ فقرے آئے ایلی ایلی لما سبقتنی میرے معبود تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا یہ فقرہ اب تک انجیل میں مرقوم ہے۔ لیکن ہمارے رسولؐ نے احد کی لڑائی میں زخمی ہو کر اور خون آلودہ لباس سے گڑھے میں گر کر صرف اتنا کہا رب اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

مراتب ایمان

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون ٥ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک خفی یا جلی) سے ملتبس نہیں کیا انہی کے لئے امن ہے وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ خدا اور رسولؐ کے وجود اور ان کے ارشادات کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ اگر اس سے کم ہے تو ایمان ہی نہیں۔ تصدیق بالایمان کے یہ معنی ہیں کہ جو شئے جاننے کی ہے

نے والے اور جو کہنے کی ہے اسے کہے اور جو کرنے کی ہے اُسے کرے اور جس سے احتراز کا حکم دیا گیا ہے اس سے بچے۔ یہ سب چیزیں عمل صالح کی قسم سے ہیں اور یہ زیادتی اور نقصان کو قبول کرتی ہیں۔ اسی لئے اکثر مقامات میں ایمان کا ذکر عمل صالح کے ساتھ کیا گیا ہے الذین امنوا وعملوا الصالحات۔

ایمان کے مدارج و مراتب یہ ہیں۔ کمتر درجہ زبانی ایمان ہے یا ایھا الذین امنوا امنوا اے ایمان والو ایمان لاؤ ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم عرب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اے رسول کہدو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو ہم اسلام لائے ہیں۔ ایمان تو تمہارے قلوب میں داخل ہی نہیں ہوا۔

دوسرا درجہ تصدیق بالقلب کا ہے یعنی جس چیز کی تصدیق کی جائے پختہ طور پر تصدیق کی جائے۔ اس کا زوال ممکن ہوتا ہے لیکن جب تصدیق جازم حاصل ہو جاتی ہے تو عمل صالح ضرور اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا بے شک مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر انہوں نے شک نہ کیا۔

اس سے بہتر ایمان بالغیب ہے اور ایسے ہی مومنین کی تعریف یومنون بالغیب سے کی گئی ہے۔ ایسا شخص پس پردہ سے غیب کی چیزیں دیکھتا ہے۔

اس سے کامل تر ایمان ان لوگوں کا ہے جن کے حق میں فرماتا ہے انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا۔ (بیشک وہ ایسے مومن ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے) ایسے لوگوں کے حق میں فرماتا ہے اولئک ھم المومنون حقا یہی سچے مومن ہیں۔

نیّت مومن

نیت کے معنی قصد کے ہیں اور قصد علم و عمل کا واسطہ ہوتا ہے جب تک کوئی یہ نہ جانے کہ فلاں کام کرنا ضروری ہے۔ اس وقت تک اس کام کے کرنے کا قصد ہی نہ کرے گا اور بغیر قصد عمل ظاہر نہیں ہو سکتا۔ نیت محض تقرب خداوندی کے لئے ہونی چاہیے ایسی نیت عمل تنہا سے بہتر ہے نیۃ المومن خیر من عملہ کا یہی مطلب ہے کیونکہ نیت بمنزلہ جان کے ہے اور عمل بمنزلہ بدن کے۔ دوسرے نیت اس لئے بھی عمل سے بہتر ہے کہ نیت میں ریا اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ جو نیت خالصاً للہ ہو گی۔ وہ عمل کو ضرور کمال تک پہنچائے گی اور سرکار الٰہی سے بدون اجر حاصل کئے نہ رہے گی۔

صدق

لغت میں صدق کے معنی سچ کہنا اور سچ کر دکھانا ہے لیکن سلوک میں جو صدق کا ذکر آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قول و

فعل و نیت و عزم و ایفائے وعدہ سب میں صدق ہو اور صدیق اسے کہتے ہیں جو ان تمام امور میں راستی پیشہ ہو اور صداقت ایک ایسا ملکہ راسخہ اس کی طبیعت میں ہو جائے کہ اس کے خلاف ظاہر ہی نہ ہو۔ ایسے شخص کے تمام خواب بھی سچے ہوتے ہیں انہی کی شان میں ہے من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ ایسے مومن بھی ہیں جنہوں نے اپنے عہدوں کو پورا کرکے دکھا دیا جو خدا سے کیا تھا۔ صدیقین کی شان یہ ہے کہ خداوند عالم نے ان کو پیغمبروں اور شہیدوں کی صف میں کھڑا کیا ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے اپنا انعام نازل کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین پر۔

تقویٰ

تقوے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے غضب اور اس کی رحمت کی دوری کے خوف سے گناہوں سے پرہیز کرے جس طرح طالب صحت بیمار کو مضرت رساں چیزوں کے استعمال سے بچنا لازم ہے تاکہ علاج سے فائدہ ہو اسی طرح طالبِ کمال کو ہر اس چیز سے بچنا چاہیئے جو منافی کمال ہو۔ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کو برائیوں سے نکالتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ تقویٰ تین چیزوں کا نام ہے گناہوں سے فرار، خوفِ خدا اور طلب قربت۔

توبہ

توبہ کے معنی گناہ سے رجوع کرنا ہیں۔ اول یہ جاننا چاہیئے کہ گناہ کس کہتے ہیں۔ افعال انسانی کی تقسیم عقلی اس طرح ہے اول وہ فعل جسے ضرور بجالانا چاہیئے اور اس کا نہ کرنا کسی طرح سزاوار نہیں اس کو فعل واجب کہتے ہیں۔ دوسرے وہ فعل جو ہرگز نہ کرنا چاہیئے یہ فعل حرام ہے۔ تیسرے جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو۔ یہ مستحب کہلاتا ہے۔ چوتھے وہ فعل جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ پانچویں وہ فعل جس کا کرنا اور نہ کرنا یکساں ہے یہ مباح کہلاتا ہے۔ پس گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کا نہ کرنا لازم ہو جو افعال کی دوسری قسم ہے۔ ایسے افعال سے توبہ واجب ہے۔ اب رہا اس فعل کا نہ کرنا جس کا کرنا بہتر ہے جو گناہ کی تیسری قسم ہے اور اس فعل کا کرنا جس کا نہ کرنا انسب ہے جو گناہ کی چوتھی قسم ہے ترک اولیٰ کہلاتا ہے اور اہلِ سلوک کا مقصد چونکہ سوائے خدا کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے غیر کی طرف التفات کرنا ان کے لئے گناہ ہے اور انہیں اس سے توبہ کرنی چاہیئے یعنی فعل مکروہ کا بجالانا اور مستحب کا چھوڑنا ان کے لئے گناہ ہے اور اس سے توبہ واجب ہے۔ اب توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ عام نکوکاروں کی توبہ، اولیاء کی توبہ، خاص معصومین کی توبہ۔ ان مراتب کے لحاظ سے اس کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔

اولیائے خدا کو نہ حزن ہوتا ہے نہ خوف

حضرت یارِ غار کو حزن ہوا اور اللہ کو رسول کی زبان میں یہ کہنا پڑا لا تحزن لیکن جو اولیائے خدا ہیں ان کو نہ خوف ہوتا

ہے۔ جو مومن اَلَاۤ اِنَّ اَولِیَاۤءَ اللہِ لَاخَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ وہ صرف خدا سے ڈرا کرتے ہیں اِنَّمَا یَخشَی اللہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمَاءُ

صبر اور اس کے اقسام

اوّل صبر عوام :۔ اس صبر کی یہ صورت ہے کہ کوئی شخص از راہ تکلف جوانمردی دکھلائے تحمل مصائب میں ثابت قدمی کا اظہار کرے تاکہ عوام الناس کی نظر میں اس کی وقعت ہو یَعلَمُونَ ظَاھِرًا مِّنَ الحَیٰوۃِ الدُّنیَا وَھُم عَنِ الاٰخِرَۃِ ھُم غَافِلُونَ۔ وہ تو ظاہری حیاتِ دنیا کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

دوسرے عُبّاد و زہاد و اہلِ تقویٰ و اربابِ علم کا صبر جو ثوابِ آخرت کی توقع پر کیا جاتا ہے اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُونَ اَجرَھُم بِغَیرِ حِسَابٍ۔

تیسرے عارفین کا صبر۔ اُن میں بعض ایسے ہیں کہ جب کوئی امر کہ بظاہر ناملائم واقع ہوتا ہے تو اس سے لذت حاصل کرتے ہیں یہ تصور کرتے ہوئے کہ خداوند عالم نے انہیں اپنے مخصوص بندوں میں سمجھ کر اس بلائے خاص سے مخصوص کیا۔ اور اب وہ اُس کے منظورِ نظر ہوئے وَبَشِّرِ الصَّابِرِینَ الَّذِینَ اِذَاۤ اَصَابَتھُم مُّصِیبَۃٌ قَالُوۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیہِ رٰجِعُونَ۔

اُسرائے بدر سے رسول اللہؐ کا حسن سلوک

اسیرانِ بدر جب ملاحظہ کے لئے پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہ تھے اور تھے بھی تو جنگ و پیکار کی کش مکش سے پارہ پارہ ہو کر پہننے کے قابل نہ رہے تھے۔ آنحضرتؐ کا خلقِ عظیم اُن کی برہنہ تنی کو کب گوارا کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انہیں کپڑے پہناؤ اور اپنے اپنے گھر لے جاؤ۔ عباس آپ کے چچا بھی اسیروں میں شامل تھے ان کا لباس بھی پارہ پارہ تھا۔ اکثر صحابہ اپنا کرتہ دینے پر تیار ہو گئے مگر یہ جناب اتنے طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتا آپ کے بدن پر ٹھیک آتا ہی نہ تھا۔ اتفاق سے عبداللہ ابن ابی سلول نے جو منافقین کا سردار تھا اپنا کرتا منگوا کر اُن کو پہنایا۔ رسول اللہ اس منافق کے اس احسان کو بھولے نہیں۔ جب وہ مرا تو اپنا کرتا اس کے کفن کے لئے عطا فرمایا۔

حضرت رسولِ خداؐ کی رحمدلی

طبری کا بیان ہے کہ واقعۂ بدر کے بعد انتظام اُساریٰ سے فراغت کر کے جب بسترِ خواب پر آرام فرمانے لگے تو اپنے چچا عباس کے کراہنے کی آواز سنی دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے بندھنے سے انہیں تکلیف ہے۔ آپ یہ سنکر تھوڑی دیر تک خاموش رہے لیکن قلبِ مبارک بے چین رہا اور نیند نہ آئی۔ صحابہ جو حاضرِ خدمت تھے آپ سے بے چینی کا سبب پوچھنے لگے ارشاد ہوا چچا کی کراہ سونے نہیں دیتی۔ میں نہیں چاہتا کہ محض خصوصیت کی بناء پر اصولِ عدالت سے تجاوز کروں ہاں

یہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص سے جس کی حراست میں وہ ہیں میری طرف سے یہ کہا جائے کہ رات بھر کے لئے ان کے ہاتھ کھول دے کہ وہ بھی آرام سے سو جائیں اور میں بھی۔

آنحضرت کے اصولِ مساوات

جب اسیرانِ بدر سے فدیہ لینا قرار پایا تو فدیہ دینے والوں میں عباس بھی تھے۔ یہ رشتے میں بنی ہاشم سے تھے ان سے فدیہ لینے کے متعلق جب حضرت سے پوچھا گیا تو حضرت نے فرمایا ان سے چار فدیئے ایک ساتھ لئے جائیں ایک ان کا دوسرے ان کے بھتیجے عقیل کا تیسرے ان کے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا چوتھے ان کے حلیف عتبہ بن جحدم کا۔ عباس اس حکم سے چیں بجبیں ہوئے اور کہا میں مسلمان ہوں مجھ سے فدیہ کیسا۔ فرمایا قلوب کا حال تو خدا جانتا ہے۔ لیکن اس وقت آپ بظاہر کفار کے شریک ہیں اور انہی کے ساتھ آپ اسیر ہو کر آئے ہیں۔ عباس بولے میرے پاس تو اس وقت کچھ بھی نہیں۔ فرمایا آپ بفضل خدا کسی وقت اور کسی جگہ نادار نہیں کہے جا سکتے۔ ابھی تو آپ کے پاس ایک کثیر رقم اس طلا کی ہے جو آپ چلتے وقت اپنی بی بی ام الفضل کو دے آئے ہیں اور یہ کہہ آئے ہیں کہ اگر لڑائی سے واپس نہ آؤں تو یہ رقم چاروں بیٹوں پر تقسیم کر دی جائے۔ یہ سنتے ہی عباس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور کہنے لگے خدا شاہد ہے کہ میرا اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا واقف نہ تھا۔ تمہیں یہ کس نے خبر دی۔ فرمایا اس اللہ نے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی عباس مسلمان ہو گئے۔

فدیہ کا دردانگیز واقعہ

اسیرانِ بدر میں ابو العاص زینب ربیبۂ رسول کے شوہر بھی تھے۔ جب ان کے جائزہ کی نوبت آئی تو ان کے پاس فدیہ دینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ زینب مکہ میں تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ شوہر کے فدیہ کا انتظام کر کے بھیج دو تاکہ ان کو رہا کر دیا جائے۔ ... ب کا بیاہ ہوا تھا تو جناب خدیجہ نے ایک ہار ان کو جہیز میں دیا تھا۔ زینب نے وہی ہار بھیج دیا۔ جب حضور کے سامنے پیش کیا گیا تو فوراً پہچان لیا جناب خدیجہ کی تصویر آنکھوں کے آگے آ گئی اور ان کو یاد کر کے بیساختہ چشم مبارک میں آنسو بھر آئے اور حزن آگیں لہجہ میں صحابہ سے فرمایا اگر مناسب سمجھو تو بیٹی کو ماں کی دی ہوئی واپس کر دو۔ سب نے متفق اللفظ عرض کی ضرور واپس کر دیجئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت حمزہ کی لاش پر ان کی بہن کا آنا

جناب صفیہ کو جب حضرت حمزہ کی شہادت کی خبر ملی تو بے تابی سے میدان اُحد کی طرف دوڑیں۔ آنحضرت کی نظر پڑ گئی ان

صابر اپنے پاس لکھڑے تھے حکم دیا کہ ماں کو جا کر روکیں لو وہ بھائی کی لاش کو اس خراب حالت میں دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں گی۔ زبیر بن العوام دوڑ گئے ماں کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکیں بیٹے سے اتنا کہا میں کچھ بھی نہ کروں گی۔ صرف بھائی کو آخری بار دیکھ کر چلی آؤں گی۔ چنانچہ یہ معظمہ بھائی کی لاش پر آئیں۔ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر چلی آئیں۔ ہٹنا تھا کہ دل پر رنج و غم کا ہجوم ہوا۔ دھاڑیں مار کر رونے لگیں اور ان کے ساتھ جناب سیدہ اور دیگر خواتین بنی ہاشم بھی گریہ و زاری کرنے لگیں۔ اب آنحضرت سے ضبط نہ ہو سکا اور جناب صفیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا یا عمتی لن اصاب بمثلک ابدًا اب آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہ ہوگا۔

حضرت حمزہ کا ماتم

جب جنگ احد سے فراغت پا کر آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے تو شہر بھر میں کہرام مچا تھا ہر گھر سے صدائے ماتم بلند تھی لیکن حضرت حمزہ پر کوئی رونے والا نظر نہ آیا۔ اس کا آپ کو صدمہ ہوا حسرت بھرے لہجہ میں فرمایا اَمَّا عَمِّی حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ میرے چچا حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے جب یہ سنا تو اپنی عورتوں سے کہا پہلے آنحضرت کے چچا پر نوحہ کرو پھر اپنے مردوں کو رونا جب آنحضرت نے ان کی آوازیں سنیں تو دعائے خیر ان کے حق میں کی۔

ضرورتِ نبی وصفاتِ نبی

چونکہ دنیا کی تمام چیزوں میں سلسلہ ارتقا پایا جاتا ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات سب کی ایسی حالت دیکھی جاتی ہے کہ ہر صنف کے طبقہ اعلیٰ میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی خصوصیات طبقہ اول اور اوسط سے ممتاز ہوتی ہیں لہٰذا عقل رہنمائی کرتی ہے کہ بنی نوع انسان میں بھی ایک شخص ایسا ہونا چاہیے جو اپنی خصوصیات میں تمام افرادِ ماتحت سے ممتاز ہو۔ جب یہ مسلّم ہے کہ انسان کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو جائے پھر بھی اس سے غلطی ممکن ہے تو نظام عالم ضرور ایک ایسے وجود کا مقتضی ہے جو تمام افراد سے زیادہ عاقل ہو اور اس میں غلطی کا احتمال نہ ہو کیونکہ اگر ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو غلطی سے محفوظ ہو تو نظام عالم ناقص رہے گا۔ کیونکہ ناقص کا مجموعہ بھی ناقص ہی کہلاتا ہے اور ایسا شخص جو سب سے عاقل تر ہو اور غلطی سے محفوظ ہو وہی ہو سکتا ہے۔ جس پر خالق عالم کی خاص توجہ ہو اس کو خدا سے ایک ایسا خاص تعلق اور واسطہ ہو جو دوسروں کو حاصل نہ ہو۔ ایسے شخص کو اہل مذاہب نبی یا پیغمبر کے نام سے پکارتے ہیں پس یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی وہی ہو سکتا ہے جو تمام اہلِ زمانہ سے عاقل تر ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا تو وہ مستحقِ اطاعت و افضلیت نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب وہ سب سے عاقل تر ہوگا اور مؤید من اللہ بھی ہوگا تو لابد سب پر اس کی اطاعت و پیروی واجب ہوگی۔ پس اب یوں کہہ سکتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جو اہلِ زمانہ سے عالم تر ہو اور اس کا علم وہبی ہو کہ غلطی کا احتمال نہ رہے یعنی عالم تر ہو اور معصوم ہو اور جب بحکم عقل و فطرت وہ دوسروں پر حاکم اور مطاع ٹھہرا تو لازم ہے

کہ صاحب قدرت و اختیار بھی ہو تاکہ احکام کو نافذ و جاری کر سکے اور حسب ضرورت اپنے علم و قدرت سے کام لے۔ شریروں کو شرارت اور ظالموں کو ظلم سے روکے۔ لہٰذا اصلاً معیار نبوت علم و قدرت ٹھہرے کیونکہ باقی جملہ کمالات علم و قدرت کے تحت میں ہیں۔ کلام مجید اسی کو بیان کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ بقر رکوع ۳۲ بقرہ حضرت طالوت منجانب اللہ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (اُن کے نبی نے اُن سے کہا اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے انہوں نے کہا اس کو ہم پر قدرت کیسے ہو سکتی ہے ہم اس سے زیادہ ملک پانے کے مستحق ہیں۔ اس کے پاس مال کی زیادتی نہیں۔ نبی نے فرمایا اللہ نے اس کو برگزیدہ کیا ہے اور علم اور جسم میں اس کو فوقیت دی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے۔ اور اللہ صاحب وسعت ہے اور بہت جاننے والا ہے) اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ بالاستحقاق حاکم وہی ہو سکتا ہے جو اپنے محکومین سے افضل ہو۔ دوم بالاستحقاق واجب الطاعت وہی حاکم ہے جو منجانب اللہ ہو نہ کہ خود ساختہ۔ تیسرے عوام کے اس خیال کو رد کیا گیا ہے کہ حاکم وہ ہوتا ہے جو بڑا مالدار ہو۔ چہارم پیغمبر بھی بے حکم خدا کسی کو کسی پر حاکم نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ خود لوگ بنا لیں۔ چنانچہ بعض آیات میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ تیرا رب جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو ان میں نیک ہوتے ہیں اُن کو انتخاب کر لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ اجماع شوریٰ و غلبہ کسی کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ خدا کا انتقام ہے خاموش رہنا دلیل صداقت ہے۔ الغرض جب ایک حاکم و بادشاہ بنانے کا اختیار ہم کو حاصل نہیں تو پیغمبر جو حاکم عام ہے اپنی طرف سے کیسے بنا سکتے ہیں وَاللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ پھر وارث نبوت و رسالت بھی وہی ہوں گے جو نبی کی طرح صاحب علم و قدرت ہوں ورنہ اس کو قائم مقام نبی نہ کہیں گے۔

نبی کی تعریف قرآن سے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (اے رسولؐ کہہ دیں جیسا بشر ہوں لیکن میرے اوپر وحی ہوتی ہے) یہاں لفظ مثل نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ مثل کا لفظ قرآن میں استعمال ہو جانے سے انہوں نے جملہ صفات انسانی میں پیغمبر کو مثل دیگر انسانوں کو سمجھ لیا ہے۔ بعض نے صاف لکھا ہے کہ نبی میں اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ گنہگار بھی ہوتا ہے۔ اس کو ہماری جیسی خواہشات بھی ہوتی ہیں اس کو ہماری طرح شیطان بھی بہکاتا ہے۔ لیکن انہوں نے عقل سے کام نہیں لیا۔ وہ فطرت سے سبق نہیں لیتے۔ سنگریزوں اور جواہرات میں فرق نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ نبی بشر ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم خاک ہیں تو وہ اکسیر

ہم پتھر ہیں تو وہ گوہر ہم جاہل ہیں تو وہ عالم ہم ناقص ہیں تو وہ کامل ہم قالب ہیں تو وہ جان عالم۔

جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونا اس کی دلیل نہیں کہ جملہ کمالات و صفات میں مساوی ہوں۔ ہر انسان برابر نہیں ہوتا ایک ادنیٰ درجہ کا انسان ہوتا ہے جو حیوان سے بھی بدتر ہے اور ایک نہایت کامل درجہ کا ہوتا ہے۔ باقل اور ہبنقہ جو حماقت میں

مرتب اشل ہیں ارسطو و افلاطون کی برابر نہیں ہوسکتے سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں اور آدمی کہلاتے ہیں۔ ان کے درمیان اور کوئی مماثلت نہیں۔ لہٰذا نبی کے بشریت میں شریک ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اُس سے عام نوع انسان کے سے افعال صادر ہوں نبی بشریت میں شریک ہے نہ کہ کمال انسانیت میں۔ اس سے تو تمام افعال انسانی موافق روح نبوتی سرزد ہوں گے نہ کہ عوام کی طرح پس جو امر نبی کو تمام انسانوں سے تمیز دیتا ہے وہ وحی ہے۔ یہ وحی ایک اثر خاص ہے اُس روح خاص کا جو نبی ہی کو عطا ہوتی ہے اور اس روح نبوتی کو بعض اوقات روح قدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرات ائمہ قبل پیدائش عالم کتاب تھے

سورۂ قصص۔ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ہم نے کلام کو متصل بھیجا ہے کہیں سلسلہ ارسال و تبلیغ منقطع نہیں ہوا تاکہ وہ نصیحت و عبرت پکڑیں اور متذکر ہوں اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے سے کتاب دیدی ہے وہ سب اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بیشک یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے کتاب برحق ہے۔ ہم اس کے پہلے ہی سے مسلمان ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو دوبارہ اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے صبر کیا ہے۔ اور برائیوں کا عوض نیکی اور بھلائی سے دیتے ہیں۔ اور اُن کو جو رزق خاص ہم نے دیا ہے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیتے ہیں اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اور وقت رخصت لوگوں پر سلام بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں ہم جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے یہ بارہ صفتیں عوام تو کیا خواص میں بھی نہیں۔ وہ کون سے مسلمان ہیں جو قبل نزول قرآن کتاب خدا کے عالم تھے سوائے ہمارے ائمہ کے اور کون ان آیات کا مصداق ہو سکتا ہے۔ انہی کی نسبت خدا فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ

امام ساتوں زمینوں کا حال جانتا ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں وَمَا مِنْ لَيْلَةٍ تَأْتِي عَلَيْنَا إِلَّا وَأَخْبَارُ كُلِّ أَرْضٍ عِنْدَنَا وَمَا يَحْدُثُ فِيهَا وَمَا مِنْ أَرْضٍ مِنْ سِتَّةِ أَرَضِينَ إِلَى السَّابِعَةِ الْأُولَى تَجِيءُ بِخَبَرِهِمْ (ہر شب ہمیں تمام زمینوں کی خبریں ملتی ہیں اور نیز جو کچھ ان میں واقع ہوتا ہے وہ سب ہمیں معلوم رہتا ہے چھوڑوں بلکہ ساتوں زمینوں کے حالات و اخبار ہمارے پاس آتے ہیں)۔ دیکھئے ابھی سائنس کی ایجاد بھی نہ ہوئی تھیں اور یہ آلات رصدیہ جن سے آجکل کام لیا جا رہا ہے بنائے بھی نہ گئے تھے کہ اب سے صدیوں برس پہلے ان خاص اور کامل النفوس لوگوں پر زمینوں کے حالات منکشف تھے۔

انہوں اس قول کے بھی یہی معنی ہیں حَسَنَاتُ الابرارِ سَیِّئَاتُ المقربین نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔ ان حضرات کے قلوب ازروئے معارف اتم قلوب ہیں اور ازروئے عرفان اعرف ہیں۔ پس جب یہ حضرات دنیا کی طرف ذرا سا بھی میل پاتے ہیں تو اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔

جنگ موتہ میں حضرت جعفر کی شہادت

جنگ موتہ میں اسلام کا لشکر تین ہزار تھا اور ہرقل رومی کا ایک لاکھ زید بن حارثہ اس لشکر کے سردار تھے پہلے وہ شہید ہوئے پھر حضرت جعفر سردار ہوئے انہوں نے شوقِ شہادت میں اپنے گھوڑے کو پے کرکے پا پیادہ جنگ کی۔ جب داہنا ہاتھ قلم ہو گیا تو علم کو بائیں ہاتھ میں لیا لیکن کچھ دیر بعد وہ بھی قلم ہو گیا اور دشمنوں نے آپ کو زخموں سے چور چور کر دیا یہاں تک کہ آپ شہید ہوئے۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں اس دن جعفر کی لاش کو دیکھا تو تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم آپ کے جسم پر پائے گئے اور سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت پر ایک نہ تھا۔

عبداللہ بن رواحہ کی حیرت انگیز شجاعت

جنگ موتہ میں جناب جعفر طیار کے شہید ہو جانے کے بعد موافق تجویز حضرت رسولخدا عبداللہ بن رواحہ علم فوج لے کر بڑھے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ عبداللہ نے شوقِ شہادت میں تین روزے نذر کے رکھے تھے۔ اس روز پورے ہو چکے تھے گویا یہ روز عید اور یوم افطار تھا۔ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا ہی چاہتے تھے کہ میدانِ جنگ سے حضرت جعفر کی شہادت کی خبر آئی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا اب جعفر کے بعد نعمتِ دُنیا سے لذت پذیر ہونا بیکار ہے۔ بھائی سامنے کھڑے تھے ہر چند انہوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا مگر نہ مانے اُٹھ کھڑے ہوئے اور میدانِ جنگ میں آکر مشغولِ حرب ہوئے۔ اسی اثنا میں ان کی انگلی میں ضرب آئی اور وہ تیغ زنی میں حارج ہونے لگے۔ آپ نے اس کو پیر کے نیچے دبا کر جدا کر دیا اور پھر اطمینان سے جنگ کرنے لگے۔ اللہ اکبر جب زخمی ہو کر گرے اور روح کی مفارقت میں دیر ہوئی تو فرمانے لگے اگر میری روح اہل و عیال کے تعلقات کی وجہ سے دور ہونا نہیں چاہتی تو میں نے بی بی کو طلاق دی اور بچوں سے افتراق کیا اور اگر غلاموں کی وجہ سے ہے تو میں نے ان کو آزاد کیا اور اگر مال کی وجہ سے ہے تو میں نے اپنی سب دولت حضرت رسولخدا کی نذر کر دی۔

حضرت رسولخدا کی یتیم نوازی

اسما بنت عمیس کہتی ہیں جب حضرت جعفر کی خبر شہادت آنحضرت کو معلوم ہوئی تو آپ مسجد سے اُٹھ کر میرے گھر تشریف لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے۔ جعفر کے لڑکے کہاں ہیں۔ میں لڑکوں کو لے کر آئی۔ ابھی تک مجھے اس حادثہ کی خبر نہ تھی۔ آپ نے بیقرار ہو کر

بچوں کو گود میں اٹھالیا اور پدرانہ شفقت کے ساتھ پیار کیا ان کے گیسوؤں کی بو سونگھتے تھے اور زار زار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر جعفر کی طرف سے دھڑکا ہوا۔ حضرتؐ سے پوچھنے لگی کیا جعفر شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ بے خود ہو کر رونے لگے زنان محلہ میری آہ و زاری سُنکر میرے پاس بغرض تعزیت جمع ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اسما نالہ و فریاد نہ کرو، سر و سینہ نہ پیٹو۔ اللہ تمہارے اجر کو زیادہ کرے گا۔ وہاں سے آپ جناب سیدہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا طعام تعزیت تیار کرو اور جعفر کے گھر بھیجو کیونکہ وہ سب کے سب بے حال ہیں اور کھانے کا ہوش نہیں۔

حضرت رسولخداؐ اور شیما بنت حلیمہ سعدیہ

جب حنین اور اوطاس کے میدان کفار سے بالکل خالی ہو گئے تو جناب رسولخداؐ نے اسیروں کا جائزہ لیا ان میں آپ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تھا تو انہوں نے کہا تھا میں پیغمبرؐ کی بہن ہوں لوگ تصدیق کے لیے آنحضرتؐ کے پاس لائے جب آپ نے پہچانا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھادی اور محبت کی باتیں کرنے لگے چند اونٹ اور بکریاں عنایت کر کے فرمایا جی چاہے تو میرے ساتھ چل کر رہو اور اگر جانا چاہو تو بحفاظت پہنچوا دیا جائے انہوں نے جانا چاہا۔ پس حضرتؐ نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ ایک غلام اور ایک کنیز دے کر روانہ کیا۔

اقسامِ ظلم

ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ اول ظلم غیر مغفور اور وہ شرک باللہ ہے وَالکافِرُونَ ھُمُ الظّالِمُونَ۔ ثُمَّ اتَّخَذتُمُ العِجلَ مِن بَعدِہٖ وَاَنتُم ظالِمُونَ ہ دوسرے ظلم غیر متروک السر یعنی ظلم علی العباد وغیرہ کہ اس کا بدلہ ضرور لیا جائے گا مَن یَقتُل مُؤمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزاؤُہٗ جَھَنَّم۔ تیسرے وہ ظلم جو بخشدیا جائے گا یعنی اگر کسی نے حکم خدا پر عمل نہیں کیا تو خدا اپنی رحمت سے اس کو بخش دے گا۔

عبادت کے اقسام

عبادت کی تین قسمیں ہیں اول جو ابدان پر واجب ہیں مثلاً نماز و روزہ و حج وغیرہ۔ دوسرے جو نفوس پر واجب ہیں مثلاً اعتقاد توحید اور تفکر ماسوی اللہ میں۔ تیسرے معاملات بین الناس مثلاً امانت کا ادا کرنا۔ نکاح وغیرہ کرنا۔ عبادت کرنے والے بھی تین طرح کے ہیں اول بامید ثواب عبادت کرنے والے یہ بمنزلہ اجیر و خدمت گزار ہیں۔ دوسرے خوف عذاب میں عبادت کرنے والے یہ بمنزلہ غلاموں کے ہیں کہ آقا کی تعزیر کے خوف سے عبادت کرتے ہیں۔ تیسرے محض محبتِ خدا میں عبادت کرنے والے۔ یہی عبادت پیش خدا مقبول اور پہلی دو عبادتیں مردود ہیں۔

نماز کے متعلق ارشادِ معصوم

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا اَلصَّلوٰۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤمِنِ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَتْ مَاسِوٰھَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسِوَاھَا نماز مومن کی معراج ہے اگر یہ قبول ہے تو تمام اعمال قبول اور اگر یہ مردود ہے تو تمام اعمال مردود۔

اور آنحضرت نے یہ بھی فرمایا مَثَلُ الصَّلوٰۃِ مَثَلُ عَمُودِ الْفُسْطَاطِ اِذَا ثَبَتَ الْعَمُوْدُ ثَبَتَ الْاَطْنَابُ وَالْاَوْتَادُ وَالْغِشَاءُ وَاِذَا انْكَسَرَ الْعَمُوْدُ لَمْ يَنْفَعْ وَتَدٌ وَلَا طُنُبٌ وَلَا غِشَاءٌ نماز مثل خیمہ کے ستون کے ہے جب تک ستون ثابت ہے رسیاں، کھونٹے اور پردے بھی قائم ہیں اور جب وہ نہیں تو پھر ان میں سے کچھ بھی نہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الصَّلوٰۃَ فَقَدْ اَنْكَرَ حَقَّنَا جس نے نماز کو نہ پہچانا اس نے ہمارے حق سے انکار کیا۔

اسلام کے سب سے بڑے محسن

ہر باکمال کے کمال کو عروج دو جہت سے ہوتا ہے اوّل مال دوسرے وقار۔ خدا نے اپنے رسول کے لئے ان دونوں جہتوں کو اس طرح فراہم کیا کہ حضرت ابوطالب کا وقار اور جناب خدیجہ کا مال ان کو دیا۔ ایک نے اپنا پورا وقار ان کے صرف میں کیا اور دوسری نے اپنا کل مال۔ خدا نے اس احسان کے بدلہ میں ایک کو لڑکا بخشا دوسری کو لڑکی اور دونوں کی باہم ترویج کر دی تاکہ مغائرت بیچ میں سے اٹھ جائے اور ایک ہو جائیں۔ لیکن یہ تو دونوں پر یکساں انعام نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں کے یہاں لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتیں تو دونوں منفرد رہتے کوئی ان کا کفو نہ ہوتا کیونکہ یہ خدا کا خاص عطیہ ہے۔ ان دونوں کے اتصال سے جو نسل چلی وہ اسلام کی ہر حال میں بہی خواہ رہی۔

قولِ امیر المومنین ؑ

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے لَوْلَا نَحْنُ مَا عُبِدَ اللّٰهُ وَلَوْلَا نَحْنُ مَا عُرِفَ اللّٰهُ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی معرفت نہ ہوتی مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادت دیکھ کر لوگوں نے عبادت کو جانا اور ہمارے سمجھانے سے خدا کی معرفت حاصل ہوئی۔

وعدہ اور ارادہ میں فرق

ارادہ میں فعل کا وقوع ہونا ضروری نہیں لیکن وعدہ میں وفا اور وقوع ضروری ہے۔ خدا نیک ارادہ کرنے والوں کو ثواب عطا فرماتا ہے اور بد ارادہ رکھنے والوں کو معذب نہیں کرتا تاوقتیکہ وہ عمل میں نہ آئے۔ خدا کا ارادہ دو قسم کا ہے تکوینی اور تکلیفی ارادہ تکوینی میں

وقوع ضرور ہوتا ہے مثلاً فرماتا ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اور ارادۂ تکلیفی میں چونکہ بندوں کو صاحبِ اختیار بنایا گیا ہے لہٰذا کبھی ارادۂ الٰہی کا وقوع نہیں بھی ہوتا کیونکہ اس کا تعلق بندوں کی تکلیف سے ہے نہ کہ تکوین سے۔ آیۂ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ الخ میں ارادۂ تکوینی ہے نہ کہ ارادۂ تکلیفی۔ پس جب یہ ارادہ پورا ہو کر رہتا ہے تو پھر ہٹ کیسے سکتا ہے۔

ایمانُ و عملِ صالح

آیۂ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ الخ میں بظاہر بہت ہی مختصر شرائطِ استخلاف ہیں لیکن درحقیقت بہت ہی اہم ہیں۔ خدا نے ایمان کو بدونِ متعلقات ذکر فرمایا ہے اور اعمال کے ساتھ صالحات کی قید لگا دی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان حکمتِ نظری میں داخل ہے اور عمل حکمتِ عملی میں۔ حکمتِ نظری کے متعلقات جس قدر غیر محدود ہوں اسی قدر اس کا کمال ہے علم کا دائرہ جس قدر وسیع ہو اُسی قدر کامل ہوتا ہے اور غیر محدود کو محدود کر دینا اچھا نہیں ہوتا لہٰذا ایمان کے متعلقات کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ مراد یہ ہے کہ جو چیزیں بھی قابلِ ایمان ہیں ان سب پر ایمان لایا جائے۔ حکمتِ عملی کا دائرہ جس قدر محدود ہوتا ہے اسی قدر توجہ صادق سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک وقت میں ایک ہی عبادت رکھی گئی ہے۔ چونکہ اعمال صالح اور غیر صالح دونوں طرح کے ہوتے ہیں لہٰذا وہاں قید لگانی ضرور تھی۔ عام لوگ بہ سبب نقصِ خضوع و خشوع صرف ایک ہی عمل ایک وقت میں کرتے ہیں لیکن جو لوگ کمالِ عمل تک پہنچے ہوئے ہیں وہ ایک وقت میں دو کام بھی کر جاتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔

علم کا تعلق قوتِ نظریہ علمیہ سے ہے اور علم کے مراتب میں تفاوتِ بسیار ہے پس جس کا علم جس قدر زیادہ ہوگا اُسی قدر اُس کا تقرب زیادہ ہوگا۔ آخری مرتبہ علم کا وہ ہوگا جو لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ سے متعلق ہے اور اسی کو حق الیقین کہتے ہیں۔

مُناجاتِ عُرفاء کے اصُول

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عُرفاء کے اصولِ مناجات تین ہیں خوف سے رجاء سے اور محبت سے یعنی جب عذاب کا ذکر سنے تو عارف کانپ جائے اور جب اس کی بخشش اور ثواب کا ذکر ہو تو اس کا دل خوشی سے پھول جائے اور محبت کا یہ عالم ہو کہ محبوب کی ہر شئے اس کی نظر میں محبوب ہو اور جو اس کی طرف سے نازل ہو اس کو بھی محبوب سمجھے اور ماسوی اللہ سے غافل ہو کر اسی کا ہو جائے۔ پھر حضرت نے فرمایا پہلے امر کی مثال حرمِ خدا کی ہے اور دوسری مسجد الحرام کی اور تیسری کعبہ کی یعنی جو حرمِ خدا میں ہے وہ خلق سے امن میں ہے اور جو بڑھ کر مسجد الحرام میں پہنچا وہ معاصی سے محفوظ رہا اور جو یہاں سے بڑھ کر کعبہ میں پہنچا وہ ماسوی اللہ سے الگ ہو کر جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہنچ گیا یعنی جب تک حرم سے باہر تھا تعلق اللہ اس کا دامن پکڑے ہوئے تھی۔ جب حرم میں

آگیا تو خلق اللہ سے امان مل گئی اب کوئی اُسے ستا نہیں سکتا لیکن معاصی اس کے ساتھ رہے۔ مسجد الحرام میں معاصی بھی جدا ہو گئے مگر ماسوی اللہ کے تعلقات یہاں بھی قائم رہے کعبہ میں پہنچ کر ان سب سے نجات مل گئی اور وہ خالص عارف بن گیا۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ عارف کو ایسا ہو جانا چاہیئے ورنہ گناہ کرنے والے عین کعبہ میں گناہ کرتے ہیں۔ یہ تین منزلیں جو حدیث میں بیان ہوئیں یہ ادھر سے جانے والوں کی ہیں لیکن کیا کہنا اس شخص کا جو اُدھر سے آئے۔ وہ کیسا ہوگا اور عرفان کی کس منزل پر ہوگا کہ جو اور عرفا کی انتہا ہے وہ اس کے قدم کی ابتداء ہے۔ مختصر عظمت اس کے نشانِ قدم کی یہ ہے کہ جس راستہ میں عام لوگوں کا نشانِ قدم بنا تھا اور جہاں سے کافر و مسلم ہر طرح کے لوگ گزر کرتے تھے وہ اپنے نشانِ قدم کو وہاں نہیں ڈالنا چاہتا تھا بلکہ عالم در دروازہ اس کے لئے بند ہو کر ایک نیا دروازہ کھلتا ہے۔ بیشک ایسے مولود کے نشانِ قدم کو چومنے کی ضرورت تھی۔ دنیا نہ چومے مگر مہر نبوت بغیر چومے نہ رہیگی

رسول خدا کی ذاتی و صفی حالت

متعلقاتِ رسالت دو قسم کے ہیں ذاتی اور وصفی یعنی اگر بلحاظ ذات دیکھا جائے تو رسول بشر ہیں اور اس میں وہ دوسرے انسانوں کے مماثل ہیں اور اگر بلحاظِ وصف دیکھا جائے تو وہ رسول ہیں اور وحی ان پر نازل ہوتی ہے چنانچہ آیہ انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ سے واضح ہوتا ہے۔ پس جب رسولؐ میں دو جنبے ہیں تو متعلقاتِ ذاتی و وصفی میں فرق ہو جانا چاہیئے۔ ازواج رسولؐ کا تعلق چونکہ صرف ذاتِ رسولؐ ہے لہذا اس کی بناء پر وہ امہات المومنین ضرور ہیں لیکن اوصافِ رسول میں شریک نہیں۔ جو اوصاف و خصوصیاتِ رسولؐ میں شریک ہیں مثلاً طہارت، عصمت، تحریم صدقہ، سلام، صلوات وغیرہ وہ رسولؐ کے اہلبیت ہیں۔ لساءنا کا لفظ آیہ مباہلہ میں بھی ہے اور یا نساء النبی کہہ کر ازواج سے بھی خطاب کیا گیا ہے لیکن نساء النبی کا تعلق چونکہ ذات سے ہے لہذا ان کی شان اور ہے اور نساء مباہلہ کا تعلق چونکہ وصفِ رسالت سے ہے جو عصمت ہے لہذا وہ اور ہیں پس معلوم ہوا کہ ابناء ذاتی اور ہیں اور ابنائے نبوتی اور ہیں۔ نساء ذاتی اور ہیں اور نساء نبوتی اور ہیں نفوس ذاتی اور ہیں نفوس نبوتی اور ہیں۔

اسلام علم و عمل دونوں کا نام ہے

اسلام نام ہے علم و عمل دو چیزوں کا۔ حدیث میں ہے العلم بدون العمل وبال والعمل بدون العلم ضلال علم بغیر عمل وبال ہے اور عمل بغیر علم ضلالت ہے۔

قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے وَالعصر اِنّ الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات قسم ہے زمانہ کی انسان خسارہ میں ہے مگر وہی لوگ جو ایمان و عمل صالح والے ہیں۔

پسر نوح عمل صالح نہ رکھنے کی وجہ سے مادی کشتی پر نہ آسکا لیکن اگر کسی کشتی کا ناخدا صالح المومنین ہو تو وہی ذریعہ نجات ہوگی اور غیر صالح اس پر قدم نہ رکھ سکے گا۔

کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولادِ رسول کا قیاس عام بچوں پر نہ کرنا چاہیئے۔ بخاری میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک روز امام حسنؑ نے صدقہ کا خرما منہ میں رکھ لیا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کخ کخ اَوَلاَ شَعَرْتَ واہ کیا تمہیں شعور نہیں۔ اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ بچپن میں احکام شریعت سے واقف تھے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ اگر واقف تھے تو رکھا کیوں؟ جواب یہ ہے تاکہ زبانِ رسالت سے اپنے متعلق یہ کلمہ لوگوں کو سنوا دیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم سے خدا فرماتا ہے اَوَلَمْ تُؤْمِن۔ کیا تم ایمان نہیں لائے۔

ایسا ہی ایک واقعہ امام محمد تقی علیہ السلام کا ہے کہ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد ایک دن بغداد کے ایک راستہ میں کھڑے تھے اور لڑکے ارد گرد کھیل رہے تھے کہ مامون کا اُدھر سے گزر ہوا اور سب تو بھاگ گئے مگر آپ کھڑے رہے مامون نے کہا تم کیوں نہ بھاگے فرمایا لَمْ یَکُنْ فِی الطَّرِیْقِ ضِیْقٌ فَاُوَسِّعَہٗ لَکَ وَلَیْسَ لِیْ جُرْمٌ فَاَخْشَاکَ وَالظَّنُّ بِکَ حَسَنٌ اِنَّکَ لَا تَضُرُّ مَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ راستہ کوتاہ نہ تھا کہ میں اُسے تیرے لئے کشادہ کر دیتا۔ میں نے کوئی جرم نہ کیا تھا کہ تجھ سے ڈرتا۔ تیرے متعلق میرا یہ گمان نہ تھا کہ تو بے گناہ کو نقصان پہنچائے گا۔ پھر بھاگتا کیوں۔

مامون کو تعجب ہوا۔ نام پوچھا۔ حضرت نے اپنا اور اپنے پدر بزرگوار کا نام بتایا۔ مامون یہ سنکر چلا گیا۔ اُس کے پاس شکاری باز تھے اُن کو اُس نے شکار پر چھوڑا۔ ایک باز جو لوٹا تو اس کی چونچ میں مچھلی تھی اور زندہ تھی۔ مامون سخت متعجب ہوا اور لوٹا تو راستہ میں پھر لڑکے ملے۔ حضرت امام محمد تقی بھی تھے اُس نے حضرت کو پاس بلا کر پوچھا۔ بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ فِیْ بَحْرِ قُدْرَتِہٖ سَمَکًا صِغَارًا یَصِیْدُ ھَا بُزَاۃُ الْمُلُوْکِ وَالْخُلَفَاءِ فَیَخْتَبِرُ بِھَا سُلَالَۃَ اَھْلِ بَیْتِ الْمُصْطَفٰی (اللہ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں جن کو بادشاہوں کے باز شکار کرتے ہیں اور اس سے آلِ محمد کی ذہانت کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون حضرت کو اپنے ساتھ دربار میں لے گیا اور وہاں لوگوں کے سامنے حضرت کی تعریف کی۔ درباری علما نے آپ کے علم و فضل سے انکار کیا۔ مامون نے کہا اچھا تم خود سوال کر دیکھو۔ یحیٰی بن اکثم نے بہت سے سوالات حضرت سے کئے۔ آپ نے سب کے جوابات دیئے۔ جب وہ سوال کر چکا تو حضرت نے فرمایا اب میرے ایک سوال کا جواب دے۔ اُس نے کہا فرمائیے۔ ارشاد ہوا تو ایسے شخص کے بارہ میں کیا کہتا ہے جس نے اول روز میں ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ حرام تھی لیکن چاشت کے وقت حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت پھر حرام ہو گئی۔ عصر کو پھر حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت پھر حرام ہو گئی عشا کو پھر حلال ہو گئی۔ نصف رات کے بعد پھر حرام ہو گئی۔ صبح کو پھر حلال ہو گئی۔

یحیٰی نے حیران ہو کر کہا میں اس کا جواب نہیں دے سکتا آپ نے فرمایا مجھ سے سن وہ ایک لونڈی تھی۔ ایک اجنبی نے اُس پر بری نظر ڈالی وہ حرام تھی۔ چاشت کے وقت خرید لیا حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت آزاد کر دیا حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت نکاح کر لیا حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت ظہار کیا حرام ہو گئی عشا کے وقت کفارہ دے دیا حلال ہو گئی۔ نصف شب کے بعد طلاق دیدی حرام ہو گئی۔ صبح کو رجوع کر لی پھر حلال ہو گئی۔ (صواعق محرقہ)

نہ ہوگی کہ بارہ سو برس قائم رہے اور اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں رہ سکیں۔ یہ عمارت یکبارگی گر پڑے گی۔

چالاکی محض ایک جعلی نوٹ ہے جو جعلساز کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے مگر پرکھنے والے اور ہی ہوتے ہیں۔ فطرت خود شعلہ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے۔

قابلِ تعظیم بننے میں خلوص سب سے بڑی چیز ہے جب تک سچے جوش سے کوئی شخص درپے کار نہ ہو نہ اس کا کام چل سکتا ہے اور نہ وہ شخصیت قابلِ عظمت ہو سکتی ہے۔ خلوص یہ نہیں کہ کوئی خود اپنے کو صاحبِ خلوص کہے بلکہ اس کی صورت اس کی رفتار اور گفتار کہہ اٹھے کہ وہ صاحبِ خلوص ہے اس کو خود اظہارِ خلوص کی طرف قطعاً اعتنا نہ ہو۔ اس کے الفاظ ہر ذی فہم کو یہ سمجھانے والے ہوں کہ وہ باتیں عام انسانوں کی سی باتیں نہیں بلکہ وہ بلاواسطہ علمِ حقیقت سے ماخوذ ہیں۔

جو پیغام حضرتؐ نے پہنچایا سراسر حقیقت تھا۔ وہ ایک مجمل صدا تھی جو مافوق الادراک حقیقت کے تہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ان باتوں میں نمائش نہ تھی بلکہ ایک بڑا شعلہ حیاتِ روحانی کا تھا جو خود فطرتِ عظمیٰ کے سینہ سے بھڑک اٹھا ہے۔

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے

عیسائیوں کا یہ اعتراض بے سروپا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ ہر جدید رائے جب شروع ہوتی ہے تو صرف ایک ذات میں محدود رہتی ہے۔ ایک شخص کے دماغ ہی میں اس کا مستقر ہوتا ہے۔ صرف ایک فردِ انسانی اس کی ماننے والی ہوتی ہے اور کل بنی نوعِ انسان کی مخالفت ہوتی ہے۔ اگر یہ شخص تلوار اٹھالے اور اپنا خیال پھیلانا چاہے تو کیا ہو سکتا ہے۔

ہم مذہبِ عیسائی میں بھی یہ بات نہیں دیکھتے کہ اس نے تلوار کی ایسے وقت میں تحقیر کی ہو جب اس کے اٹھانے کا موقع مل گیا ہو۔ شارلمین شاہِ فرانس نے جو سیکسن لوگوں کو عیسائی بنایا وہ بذریعہ وعظ نہیں بنایا بلکہ تلوار کے زور سے بنایا۔

کسی مذہب کی نشر و اشاعت کے متعلق تلوار پر نظر نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس اعتقاد کو دیکھنا چاہیئے جس سے دنیا کا مقابلہ کرنا ہے اگر صرف تلوار کے زور سے ہو یا زبان کے زور سے یا کسی اور طریقہ سے تو یاد رکھو ان امور سے دلی اعتقاد پر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں فطرت خود حَکَم ہے یہی وہ چیز ہے جو محمد مصطفیٰؐ کی کامیابی میں سب سے بڑا حصہ لینے والی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ فطرت کیونکر حَکَم ہے۔ تم گیہوں زمین کی گود میں ڈال دو۔ تمہارے گیہوں میں بھوسہ، چھلکا، کوڑا کرکٹ، خاک دھول بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہوں گی مگر کوئی حرج نہیں تم نے اس کو ایک ایسی حقیقت شناس گود میں دیا ہے کہ وہ تمام فضول اور زائد چیزوں کو فنا کرکے صرف گیہوں ہی اگائے گی۔ یہی حال فطرتِ انسان کا ہے۔ فطرت حق پسند ہے باطل پسند نہیں۔ وہ ہر شے میں حقیقت کو تلاش کرتی ہے پس جو اصلیت ہوتی ہے اس کو تو قلبِ انسان میں نشوونما دیتی ہے۔ باقی کو فنا کر دیتی ہے۔ اسلام کو جتنی کامیابی ہوئی وہ صداقت شعاری اور حقیقت بیانی سے ہوئی۔ مدینہ میں آنے سے پہلے تک جس قدر کامیابی آنحضرتؐ نے حاصل کی اُس کا تلوار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ علاج صرف دوا و غذا ہی سے نہیں ہوتا بلکہ آپریشن، انجکشن سے بھی ہوتا ہے۔ مدینہ

میں آگر جب حضرت نے یہ دیکھا کہ شریر قوتوں پر صداقت وحقانیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ سڑے ہوئے زخم اچھے گوشت کو بھی سڑائے دیتے ہیں تو مجبوراً جنگ پر کمر باندھی۔ اس میں بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ اپنی طرف سے ابتدا نہ کی بلکہ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت میں دفاعی جنگ کی۔

کعبہ میں بُت شکنی

پہلے بت شکنی حضرت ابراہیم نے کی اور انہی کی تاسی میں حضرت علی نے بھی کی۔ دیکھا ذریت ابراہیمی علم کے ساتھ عمل میں اور پھر لقب میں کس طرح حضرت ابراہیم کی شریک ہے وہ خلیل اللہ ہیں، رسول حبیب اللہ اور علی ولی اللہ۔ الفاظ مختلف مگر معنی سب کے ایک۔ علی کا شانۂ رسول پر سوار ہو کر بُت شکنی کرنا بہت بڑی فضیلت ہے۔ لوگ کہتے ہیں ابوبکر کے لئے بڑی فضیلت ہے کہ وہ رسولؐ کو اپنی پشت پر سوار کر کے غار تک لے گئے۔ یہ ان کی فہم کا قصور ہے راکب بننا اور بات ہے اور مرکب بننا اور۔ مرکب بننے کی فضیلت میں گدھے گھوڑے تک شریک ہیں لیکن راکب بننے میں ایک بھی نہیں سہ

نہ ہے نقش پائے کہ بردوشِ احمد ۔۔۔ زمہر نبوت مقدم نشیند

میں اس روایت کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یارِ غار نے رسولِ مختار کو اٹھا کر تا در غار پہنچایا تھا اور اس کی کئی وجہیں ہیں۔

اول پشت پر سوار کر کے لے جاتے تو وہ نشانِ قدم آنحضرت کے زمین پر کیسے بنتے جن سے کھوج لگاتے مشرکین غار تک پہنچے تھے۔

دوسرے بارِ نبوت جب علی نہ اٹھا سکے تو دوسرے کی کیا تاب تھی۔ بارِ نبوت یوں سمجھو کہ خدا فرماتا ہے ولو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبلٍ لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خوفِ خدا سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ پس ہمارے رسولؐ اسی قرآن کے حامل تھے۔ ایسی حالت میں آپ کا اٹھانے والا چاہے کیسا ہی سخت ہو پھر بھی پہاڑ سے زیادہ تو نہیں ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ جس طرح ایسے اوقات میں جب شانِ نبوت نہ دکھائی جاتی تھی۔ حضرت کو گدھے گھوڑے سنگریزے اور زمین اٹھائے رہتے تھے پس اسی طرح یارِ غار نے بھی اٹھا لیا۔

تیسرے یہ کہ جو جس مصرف کا ہوتا ہے اس سے وہی کام لیا جاتا ہے جو سوار کرنے کے قابل تھا اُسے سوار کر لیا جو سواری بننے کے قابل تھا اسے سواری بنا لیا۔ مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔

ولو انّ صَحَّ عند اُولی النظار ۔۔۔ فقد رکب النبی علی الحمار

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو حمار کو بھی فضیلت ہے کیونکہ وہاں یہ فضیلت ایک ہی بار حاصل ہوئی اور اس حیوان کو سینکڑوں بار

خصوصیاتِ نبی

آنحضرت کے جسمِ مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی کیونکہ وہ فضول کش ہے اور جسمِ رسولؐ میں فضول چیز کہاں؟ البتہ جو فضیلت

لٹ تھے وہ برابر آپ کے جسمِ مبارک پر پھینکتے تھے۔

خدا کا حکم تھا کہ کوئی آنحضرتؐ کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے لیکن کیسے بدتمیز تھے وہ لوگ جو بیماری کی حالت میں آپ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند کر رہے تھے کہ حضرت کو قوموا عنّی کہہ کر وہاں سے اٹھا دینا پڑا۔

سورۂ برأت کی تبلیغ

جناب ابوبکر مدت العمر میں صرف ایک بار امیر حاج بنکر سورۂ برأت کی تبلیغ کو چلے تھے کہ بحکم خدا سے روک دیے گئے

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

ایک بار بیٹی کے حکم سے رسول کے مرض الموت میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تھے تو رسولؐ نے روک دیا۔ یاد رکھئے! اسلام میں یہ پہلے باپ ہیں جن کو بیٹی کی سرکار سے اجازۂ پیش نمازی عطا ہوا۔ شاید اسی کے بعد کی پیداوار یہ حدیث ہو صَلّوا خلف کُلّ برٍّ و فاجرٍ

مطائباتِ عقیل

حضرت عقیل کے نابینا ہونے کے بعد ایک روز معاویہ نے کہا تم بنی ہاشم اکثر نابینا ہو جاتے ہو فرمایا ہاں ہماری بصارت جاتی رہتی ہے اور تمہاری بصیرت۔

جب حضرت عقیل نے پیرانہ سالی میں عقدِ جدید کیا تو معاویہ نے از روئے تمسخر اُن سے کہا اے بنی ہاشم تم لوگوں پر کس قدر خواہش نفسانی کا غلبہ ہے فرمایا ہاں ہمارے مردوں کو ہے اور تمہاری عورتوں کو۔

ایک بار معاویہ نے ایک صحبت قرار دی اور حکم دیا کہ ہر شخص منبر پر جا کر حضرت علی علیہ السّلام پر لعنت کرے۔ جب حضرت عقیل کی نوبت آئی تو معاویہ نے ان پر بھی زور دیا۔ یہ منبر پر گئے اور کہنے لگے یلعن علیّ اَمَرنی معاویۃ فَالعنوہ لعنۃُ اللّٰہ اس میں فَالعنوہ کی ضمیر کا مرجع معاویہ ہے۔

ایک روز معاویہ نے کہا اے عقیل سچ کہو تمہارے چچا ابولہب کا جہنم میں کیا حال ہوگا انہوں نے کہا وہاں بھی تمہاری پھوپی حَمّالۃَ الحَطَب سے بلند تر ہوں گے۔

لطیفہ

ایک روز سبط بن جوزی نے بر سرِ منبر کہا سَلُونی قَبلَ اَن تفقدونی یہ سنکر ایک عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا اس بات کا تو جواب دو کہ لوگ کہتے ہیں کہ سلمان مدائن میں مرے اور علی مہینہ بھر کی راہ یعنی مدینہ سے باعجاز وہاں پہنچے اور نماز پڑھی کیا یہ صحیح ہے۔ اس نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ عورت نے کہا اور عثمان مدینہ میں مرے پڑے رہے ان کی نماز علی نے

نہ پڑھی۔ کیا یہ ٹھیک ہے اس نے کہا بے شک۔ عورت بولی پھر ان دونوں میں ایک سے خطا ضرور ہوئی لیکن تم دونوں کو خلیفہ بھی جانتے ہو یہ سنکر ابن جوزی مبہوت ہوگیا اور پھر کہنے لگا اے نیک بخت اگر تیرے شوہر نے تجھے اجازت گھر سے باہر نکلنے کی دی تو وہ دیوث ہے خدا کی اس پر لعنت ہو اور اگر تو خود گھر سے باہر نکل آئی ہے تو تجھ پر خدا کی لعنت۔ اس نے کہا حضرت عائشہ گھر سے نکل کر بصرہ گئیں اور جناب امیر سے جنگ کی پس اس میں نیز افتویٰ کیا ہے آیا رسول اللہ کا حکم تھا یا بے اذن ان کے ایسا کیا۔ یہ سنتے ہی وہ حیران ہوگیا۔

معاویہ سے طرماح کا دلچسپ مکالمہ

جنگ جمل کے بعد معاویہ نے ایک بڑا عتاب آمیز خط جس میں طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا گیا تھا حضرت علیؑ کے پاس بھیجا حضرت نے بھی نہایت عتاب انگیز خط جس میں اپنی شجاعت کا تذکرہ اور جنگ بدر کے کارناموں کا بیان تھا جواب میں لکھا اور یہ بھی تحریر فرمایا میں وہی ہوں جس کے ہاتھ سے تیرے خاندان کے بڑے بڑے نامی گرامی لوگ قتل ہوئے۔

اس خط کو آپ نے طرماح رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا کہ دمشق لے جائیں۔ یہ بڑے جسیم قد آور فصیح البیان اور طلیق اللسان شخص تھے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو معلوم ہوا کہ معاویہ مع اپنے حوالی موالی کے ایک باغ میں مقیم ہے۔ جناب طرماح اپنے اونٹ کو تیزی سے بڑھاتے ہوئے بغیر کسی پس و پیش کے باغ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت معاویہ کے مصاحب روشوں پر گلگشت کر رہے تھے ان کو جو آتا دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا یہ کوئی بدو عرب ہے لاؤ ذرا دیر اسی کا مذاق اڑائیں۔ جب طرماح قریب پہنچے تو عمرو عاص نے کہا

عمرو عاص۔ هَلْ عِنْدَكَ خَبَرٌ مِنَ السَّمَاءِ (کہئے آسمان کی کیا خبر ہے) اول تو خود بلند قد تھے پھر اونچے سے اونٹ پر سوار تھے یہ اس بات کا مذاق اڑایا گیا۔

طرماح۔ نَعَمْ اللّٰهُ فِي السَّمَاءِ وَمَلَكُ الْمَوْتِ فِي الْهَوَاءِ وَاَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْقَضَاءِ فَاسْتَعِدُّوْا لِمَا يَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْبَلَاءِ يَا اَهْلَ الْعَدَاوَةِ وَالشَّقَاءِ (ہاں خبر کیوں نہیں اللہ آسمان میں ہے ملک الموت ہوا میں اور امیر المومنین تمہارے پیچھے ہیں۔ پس بدبختو اس بلا کے لئے تیار ہو جاؤ جو تم پر نازل ہونے والی ہے۔

عمرو عاص۔ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔

طرماح۔ مِنْ عِنْدِ مُؤْمِنٍ حُرٍّ نَقِيٍّ تَقِيٍّ زَكِيٍّ رَضِيٍّ مَرْضِيٍّ (ایک بندہ مومن کے پاس سے جو حر ہے پرہیزگار ہے پاک طینت ہے صاف طبیعت ہے خدا کی مرضی پر راضی اور اس کا برگزیدہ بندہ ہے۔)

عمرو عاص۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

طرماح۔ اُرِيْدُ هٰذَا الْمُنَافِقَ الرَّدِيَّ الْمُوْذِيَ الَّذِيْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّهٗ اَمِيْرُكُمْ (ابھی اسی بدبخت موذی کے

پاس جانے کا ارادہ ہے جسے تم اپنا امیر جانتے ہو)

جب یہ کلام عمرو عاص نے سُنا تو معاویہ کو جا کر خبر کی کہ ایک بڑا ہی تڑاق پڑاق قاصد علی کی طرف سے آیا ہے۔ اُس نے کہا یہاں ہمارے سامنے پیش نہ کرو بلکہ دربار میں لاؤ تاکہ یہ ہماری شانِ قہرمانی دیکھے۔ غرضکہ معاویہ داخلِ دارالامارہ ہوا اور جناب طرماح کو بلایا گیا۔

جب یہ پہلی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو دیکھا موافقِ آئینِ بنی امیہ تمام غلام سیاہ پوش ہیں انہوں نے مسکرا کر کہا یہ پھاڑ کے بھاری، جہنم کے گرفتاری ناحق شناس سیہ لباس کہاں سے آمرے۔ آگے بڑھے تو ایک مقام پر یزید کو بیٹھا پایا اور حسبِ عادت سخت و خشن آواز سے بول رہا تھا۔ طرماح نے تجاہلِ عارفانہ کر کے کہا مَنْ ھٰذَا المیشوم ابنُ المیشوم الواسعُ الحلقوم المضروبُ الخرطوم (یہ بوم شوم کس منحوس کا بچہ ہے اس کا حلق اتنا کیوں پھٹ گیا ہے یہ نکٹا بے حیا کب اس قابل ہے کہ مسندِ زریں پر بیٹھے)

لوگوں نے کہا ہئیں کیا کہتا ہے یہ ولیعہد بہادر یزید ہیں۔ انہوں نے فرمایا مَنْ یزیدُ لا زادَ اللہ مرادَہٗ ولا بلغہٗ مرادَہٗ۔ (کون یزید؟ خدا اس کا ستیاناس کرے یہ کسی کے دینے میں کیا زیادتی کرے گا) پھر ان سے اور یزید کے صاحب سلامت ہوئی۔ یزید نے کہا اے عرب تیری کوئی حاجت ہو تو بیان کر انہوں نے فرمایا میں امیر المومنین علیہ السّلام کا قاصد ہوں مجھے معاویہ تک پہنچا۔

الغرض جب دربار میں پہنچے تو چوبدار نے کہا اے عرب اِخلع نعلیک (جوتا اتار دے) انہوں نے داہنی بائیں طرف دیکھ کر کہا کیا خوب کیا یہ وادیٔ مقدس ہے کہ میں اپنا جوتا اتار دوں۔ یہ کہہ کر بے خوف آگے کو بڑھ گئے اور فرمایا السّلامُ علیک ایھا الملکُ العاصی۔ معاویہ نے کہا وائے ہو تجھ پر تو نے امیر المومنین کیوں نہ کہا فرمایا ثکلتکَ اُمُّکَ نحنُ المومنونَ فمَنْ اَمَّرکَ علینا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے ہم مومن ہیں پس کس نے تجھے ہم پر امیر مقرر کیا۔

معاویہ۔ بتا تیرے پاس کیا ہے؟

طرماح۔ کتاب کریم مختوم۔ ایک گرامی خط مہر شدہ ہے۔

معاویہ۔ بڑھ کر پھر مجھے دیتا کیوں نہیں؟

طرماح۔ اکرہُ ان اطاءَ بساطک مجھے تیرے نجس فرش پر پیر رکھنا پسند نہیں۔

معاویہ۔ اچھا میرے وزیر عمرو عاص کو دے دے۔

طرماح۔ ھیھات ظلم الامیرُ و خانَ الوزیرُ۔ امیر ظالم ہے تو وزیر خائن اُسے کیسے دوں۔

معاویہ۔ اچھا میرے بیٹے یزید کو دیدے۔

طرماح۔ ما فرحنا بابلیس فکیفَ باولادِہٖ۔ ہم شیطان سے کیا خوش ہیں جو اس کی اولاد سے ہوں گے۔

معاویہ۔ اچھا میرے غلام کو دیدے

طرماح۔ غلامٌ سوءٌ اشتریٰ من غیر حق و اُعطی غیر مستحق۔ ایسے خبیث غلام کو دیدوں جو حرام کے روپے سے

خرید اگیا اور غیر مستحق کے قبضہ میں ہے۔

معاویہ۔ بندۂ خدا پھر یہ خط کیسے لوں؟

طرماح۔ یہ خط معمولی آدمی کا نہیں علیؑ کا ہے تعظیم کے لئے اُٹھ اور مجھ سے لے۔

معاویہ۔ (ہاتھ میں خط لیکر) یہ تو بتا علیؑ کا حال کیا ہے؟

طرماح۔ خلّفتہ بحمد اللّٰہ کالبدر الطالع حوالیہ اصحاب کالنجوم اذا امرھم ابتدروا الیہ واذا نھاھم عن شیٔ لم یسبروا علیہ۔ میں نے بحمد اللہ اُن جناب کو اس طرح چھوڑا جیسے چمکتا چاند اُن کے گرد ستاروں کی طرح اصحاب ہیں جب وہ کسی امر کا حکم دیتے ہیں تو فوراً بجا آوری کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور جب منع کرتے ہیں تو اس کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

معاویہ۔ اے عرب تو کس قدر فصیح و بلیغ ہے۔

طرماح۔ تو نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے ان کی سرکار میں مجھ سے کہیں زیادہ فقیہ و ظریف و شریف و نجیب و ادیب و خطیب موجود ہیں۔

معاویہ۔ علیؑ سے کہہ دینا میں نے ان کے خلاف اتنا لشکر جمع کیا ہے جو اناج کے بڑے سے بڑے خرمن سے زیادہ ہے ذرا خبردار رہیں۔

طرماح۔ اے معاویہ علیؑ کے پاس مالک اشتر جیسا ایک مرغ ہے جو اپنے نیزہ کی منقار سے ذرا دیر میں یہ سب دانے چُن کر رکھدے گا۔

عمرو عاص نے معاویہ کے کان میں کہا یہ بدو عرب لالچی ہوتے ہیں اس کی زبان کچھ دے کر بند کر دینی چاہیئے۔ معاویہ نے کہا بہتر ہے۔ پس عمرو عاص معاویہ کے پاس سے ہٹ کر طرماح کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر امیر تجھے کوئی تحفہ دے تو قبول کرے گا۔ انہوں نے مسکرا کر فرمایا اُرید قبض روحہ من جسدہ فکیف لا ارید قبض مالہ من یدہ۔ میں تو اس کی جان تک قبض کرنے کی فکر میں ہوں۔ مال کا تو ذکر ہی کیا۔ معاویہ نے اپنی سخاوت دکھانے کا حکم دیا دس ہزار درہم اُسے دیدو اور یہ بھی کہا اگر ضرورت ہو تو اور زیادہ کر دوں۔ انہوں نے فرمایا زد فانک لا تزید من مال ابیک زیادہ کردے تو کوئی اپنے باپ کے مال سے تھوڑا ہی دے رہا ہے۔ معاویہ نے حکم دیا دس ہزار اور دیدو۔ پھر پوچھا کچھ اور زیادہ کروں فرمایا۔ اذا ثنّی ثلّث جب دوبارہ بڑھایا ہے تو تیسری بار لاؤ بھی سہی۔ معاویہ نے حکم دیا دس ہزار اور دو۔ جب سب مال طرماح کے قبضہ میں آگیا تو فرمانے لگے ھذا مال المسلمین من خزانۃ رب العالمین اخذہ عبد من عبادہ الصالحین یہ مسلمانوں کا مال ہے اللہ کے خزانہ سے جس کو حاصل کیا ہے۔ اللہ کے ایک نیک بندے نے

اصولِ دین کی تعلیم فروع سے مقدم ہے

آیۂ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللّٰہ واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات میں لا الٰہ الا اللّٰہ کو مقدم کرنا علمِ اصول کی طرف

اشارہ ہے اور اشتغال بالاستغفار فروع کی طرف۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اصل فروع پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ جب تک وجود صانع نہ مان لیا جائے طاعت و عبادت میں اشتغال ناممکن ہے اس کی شاہد اور بھی کئی آیات ہیں۔

(۱) جناب ابراہیم کے قول کی حکایت رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ اس میں هَبْ لِي حُكْمًا اشارہ ہے استکمالِ قوتِ نظری کی طرف معرفت حقائق میں اور اَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ اشارہ ہے استکمالِ قوتِ عملی کی طرف از روئے اجتناب کے افراط و تفریط سے۔ اسی لئے علم کو عمل پر مقدم کیا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ کے بارہ میں ہے اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي۔ اس میں لا الٰہ الا انا اشارہ ہے علمِ اصول کی طرف اور فاعبدنی اشارہ ہے علمِ فروع کی طرف۔

(۳) حضرت عیسیٰ کے قول کی حکایت ہے إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ۔ اس میں عبد اللہ اشارہ ہے علمِ اصول کی طرف اور آتانی الکتاب اشارہ ہے علمِ فروع کی طرف کیونکہ احتیاج علم کو کتاب کی ہوتی ہے۔ معرفت احکام و شرائع میں نہ معرفت ذات خدا میں۔

(۴) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ یہ آیت بھی منجملہ دلائل توحید ہے کیونکہ تولد انسان نطفہ سے دلیل ہے وجود صانع کی۔

اگر یہ کہا جائے اس کلام کے اجزا میں کیا ربط ہے اول انسان کے نطفہ سے پیدا ہونے کا ذکر ہے پھر فرمایا ہے وَعَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اخس و ادنیٰ مرتبہ خلقتِ انسانی کا علقہ ہے اور اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان ایسا عالم ہو کہ اس کا علم محیط ہو حقائقِ اشیاء کو۔ گویا خدا یہ بتا رہا ہے اے انسان ذرا سوچ تو اپنی پہلی حالت کو جبکہ تو علقہ تھا اور اپنی آخری حالت جبکہ تو حقائق شناس اور اشرف المخلوقات بن گیا۔ تیری یہ غیر معمولی ترقی کیا تیرے خالق کے وجود کی دلیل نہیں۔

شہادت بالتوحید کا اجر

منقول ہے کہ جب حضرت یوسف نے یہ چاہا کہ کسی کو اپنا وزیر بنائیں تو حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا آپ فلاں شخص کو اپنا وزیر بنایئے۔ انہوں نے جب اس کو بلا کر دیکھا تو بہت ذلیل آدمی پایا۔ عرض کی خدایا اس میں تیری کیا مصلحت ہے۔ حکم ہوا اس کا تم پر ایک حق ہے یہ وہی شخص ہے جس نے بچپن میں تمہاری گواہی دی تھی اِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ۔ پس جب انبیا کی شہادت دینے والے کا یہ اجر ہے تو اللہ کی توحید کی گواہی دینے والے کے اجر کا کیا ٹھکانہ۔ یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ جس شخص نے حضرت یوسف کی گواہی بچپن میں دی تھی خدا نے حضرت یوسف کی وزارت اسی کو دلوائی پس حضرت رسولخدا کی وزارت اس قاعدہ سے بھی حضرت علی کو ملنی چاہیئے کیونکہ آپ نے بھی بچپن میں سب سے پہلے گواہی دی تھی۔

لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ اگر صدق دل سے مع شرائط زبان ادا ہو تو اس کو حسب ذیل شرف حاصل ہوں۔ (۱) الوت ابراہیمی ملے

بقولہ تعالےٰ مِلَّةَ ابیکم ابراھیم اور (۲) امیت ازواج النبی ملے وَازواجہٗ امہاتھم (۳) مومنین کی اخوت ملے انما المومنون اخوۃ (۴) استغفار انبیاء ملے وَاستغفر لذنبک وللمومنین (۵) اور استغفار ملائکہ ملے وَیستغفرون للذین آمنوا۔

کلمہ توحید کی عظمت

ہر ایک عبادت فرشتہ کے ذریعہ سے اوپر کو صعود کرتی ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ بنفسہٖ صعود کرتا ہے قولہ تعالےٰ وَالیہ یَصعدُ الکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ وَالعَمَلُ الصَّالحُ یرفَعُہٗ یعنی عمل صالح کو فرشتے اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ تمام عبادتیں مثلاً روزہ نماز وغیرہ بعد قیامت زائل ہوں گی مگر تہلیل وتحمید ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بقولہ تعالےٰ وَآخِرُ دَعوٰھُم اَنِ الحَمدُ للّٰہِ ربِّ العٰلمین لا الٰہ الّا ھو لہُ الحمد فی الاُولیٰ وَالاٰخرۃ۔ روز قیامت تمام اعمال میں سے ریا کا کچھ نہ کچھ میل ضرور نکلے گا سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے کیونکہ مومن اس کو صمیم قلب سے کہتا ہے۔

کلمہ توحید کے متعلق اقوالِ معصومین

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں مَن قالَ لا الٰہ الّا اللہ وَجَبَت لہُ الجنۃ لکن بشرطھا وشروطھا وانا من شروطھا۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت اس پر واجب ہوگئی لیکن شرائط کے ساتھ اور ان شرائط میں سے ایک میں بھی ہوں۔ یعنی بغیر محبتِ اہلبیت صرف یہ کلمہ کہنا کافی نہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی کہ خداوند عالم فرماتا ہے لا الٰہ الا اللہ حِصنی وَمَن دَخَلَ حِصنی اَمِنَ مِن عذابی لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہوا اس نے میرے عذاب سے امان پائی۔

فرمایا جناب رسولخدا نے اُمِرتُ اَن اُقاتِلَ النّاسَ حتّیٰ یقولوا لا الٰہ الّا اللہ فاذا قالوھا عَصَمُوا مِنّی دِمائَھُم واموالھم الّا بحقھا وحسابھم الی اللہ میں خدا کی طرف سے اس امر پر مامور کیا گیا ہوں کہ ان سے اس وقت تک مقاتلہ کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں اور جب وہ یہ کلمہ کہدیں گے تو ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔

فضائل کلمہ توحید

(۱) کلمہ توحید سبب طہارت ہے کیونکہ انما المومنون نجسٌ فرمایا گیا ہے۔

(۲) باعثِ تخریب عالم شرک ہے چنانچہ فرماتا ہے یکاد السمٰوٰت یتفطّرن منہ وتنشق الارض وتخرّ الجبال ھدّا ان دعوا للرحمٰن ولداً پس جب شرک باعثِ تخریبِ عالم ہے تو توحید سبب آبادی عالم ہوئی اور جب ایسا ہے تو دل

طہارت کا سبب کیوں نہ ہوگی۔

(۳) اس کو کلمۂ اخلاص بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو گناہوں سے خالص کرنے والا ہے۔

(۴) کلمۂ توحید کو کلمہ طیبہ بھی کہتے ہیں اس کی مثال شجرۂ طیبہ سے دی گئی ہے کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت فرعھا فی السماء۔

یہ مثال چند غرض سے دی گئی ہے (۱) اول شجر طیبہ کہتے ہیں کھجور کے درخت کو وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح وہ ہر مقام پر نہیں اگتا اسی طرح کلمۂ توحید بھی نہیں جاری ہوتا ہر زبان پر اور معرفت توحید نہیں حاصل ہوتی ہر قلب کو (۲) کھجور کا درخت اطول الاشجار ہے اسی طرح توحید اعلیٰ کلمات میں سے ہے (۳) درخت نخلہ یعنی کھجور کی جڑ زمین پر ثابت ہے اور فرع اس کی آسمان میں ہے اسی طرح کلمہ طیبہ قلب میں ثابت ہے اور فرع اس کی آسمان میں ہے والیہ یصعد الکلم الطیب (۴) درخت نخلہ ہر سال میں دو بار پھل لاتا ہے اسی طرح کلمۂ توحید بھی دین و دنیا دو جگہ پھل دیتا ہے (۵) نخلہ کی گٹھلی کھانے والے کے لئے مفید نہیں اور نہ کوئی اس کی قیمت نیز یہ کہ اس کے نکال دینے کی وجہ سے پھل کی قیمت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا اسی طرح اگر کلمۂ توحید کے ساتھ کچھ معاصی بھی ہوں تو وہ نقصان نہیں پہنچاتے جیسا کہ آیۂ یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً (۶) نخلہ کے نیچے کا حصہ خاردار ہوتا ہے اور پھل چوٹی پر آتا ہے۔ اسی طرح اول دین میں تکالیف شاقہ ہیں اور آخر دین میں معرفت و محبت کی شیرینی ہے۔

یہ شجرۂ طیبہ کی ظاہری تعبیر ہے اب باطنی اور حقیقی تفسیر سنئے اس سے مراد ہے شجرۂ نبوت و طہارت جس کا مظاہرہ خانہ کعبہ میں اس وقت ہوا جب رسول نے علیؑ کو شانوں پر بلند کر کے پوچھا یا علیؑ اپنے کو کہاں پاتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ اپنے کو اتنا بلند پا رہا ہوں کہ اگر چاہوں تو اپنے ہاتھ سے آسمان کو چھو لوں۔ دیکھئے اصل یعنی نبوت زمین ہے اور اس کی فرع یعنی امامت آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔

کلمۂ توحید کو ثابت کیوں کہا گیا

(۱) یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس کے کہنے والے کو معصیت سے نقصان نہیں پہنچتا۔

(۲) گناہ اس پر اثر نہیں کرتا بلکہ یہ گناہ کو دور کرتا ہے۔ موحّد کا گناہ چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کی مغفرت کی امید رہتی ہے بخلاف شرک کے کہ اس کی بخشش کی امید نہیں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور گناہ چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جب وہ کلمۂ توحید کی طرف آجائے گا سب معاف ہو جائے گا۔

(۳) یہ کلمہ ثابت ہے آخرت میں کیونکہ اہل جنت ذکر توحید میں مشغول ہوں گے قالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ۔

(۴) یہ کلمہ ایسا ثابت ہے کہ اس کے کہنے والے پر نہ آگ اثر کرتی ہے نہ پانی۔ حضرت ابراہیم کو نہ آگ جلا سکی اور نہ پانی حضرت موسیٰ کو ڈبو سکا۔

کلمۃ التوحید کلمۃ التقویٰ بھی ہے

اصل تقویٰ شرک سے بچنا ہے اور وہ اس کلمہ سے حاصل ہے۔ یہ کافروں کے بدن کو تلوار سے اموال کو لوٹ سے دل کو نجاست سے اور روح کو معصیت سے بچانے والا ہے انہی فوائد پر نظر رکھ کے خدا فرماتا ہے یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین۔ اے رسول وہ تم پر اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں تم کہہ دو مجھ پر اس کا احسان نہ رکھو بلکہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

کلمۃ التوحید کلمۃ العلیا ہے

وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا۔ کافروں کا کلمہ نیچا ہے اور اللہ کا کلمہ اونچا۔ اس کلمہ کے غالب ہونے کے چند وجوہ حسب ذیل ہیں۔

جب نور وحدانیت الٰہی کسی قلب کو منور کر دیتا ہے تو اس کی نظر میں بڑے بڑے بادشاہوں کی وقعت نہیں رہتی اور دنیوی عیش ان کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اس کلمہ کی جلالت جس قلب پر چھا جاتی ہے تو پھر دنیا کی تمام قوتیں اس کی نظر میں پست ہو جاتی ہیں پھر کسی قوت سے نہ اس کی آنکھ جھپکتی ہے نہ دل کانپتا ہے یہاں تک کہ اس پر ملک السموات بھی اپنا اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوتے وما زاغ البصر وما طغیٰ اس پر شاہد ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز جناب ابراہیم اپنے ایک دوست کے ساتھ جنگل میں جا رہے تھے کہ نور اجلالِ الٰہی کا نزول ہوا۔ اسی اثنا میں کچھ درندے ان کے اردگرد آ گئے مگر آپ نے ذرا التفات نہ کیا اور کوئی اثر خوف کا ظاہر نہ ہوا آپ کا ساتھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اگلے روز پھر وہی شخص ساتھ تھا کہ ایک مچھر آپ کے ہاتھ پر بیٹھا آپ اس کے کاٹنے سے مضطرب ہوئے اس شخص نے کہا کل تو آپ کا یہ حال ہوا اور آج یہ حال ہے۔ فرمایا کل میرے دل پر نزولِ اجلال سلطانی تھا اس کے ہونے سے مجھے تمام دنیا کی قوتیں حقیر معلوم ہوتی تھیں لیکن اس وقت چونکہ اس کا غلبہ نہیں لہذا میں بے چین ہوا۔

اسی کلمہ کی وجہ سے دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب قرار دیا۔ لیظہرہ علی الدین کلہ۔

آفتاب دنیا اور آفتاب معرفت کا فرق

(۱) سورج کو بادل چھپا لیتا ہے اور معرفت کو سبع سموات نہیں چھپا سکتے۔

(۲) سورج رات میں غائب ہو جاتا ہے اور معرفت دن اور رات میں کسی وقت غائب نہیں ہوتی بلکہ رات میں اس کی نور زیادہ ہوتی ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا الخ یا لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

(۳) سورج فنا ہو جائے گا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور معرفت فنا نہ ہوگی كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔

(۴) سورج کو گہن لگتا ہے معرفت کو نہیں۔

(۵) سورج چیزوں کو سیاہ کرتا ہے اور معرفت سفید بناتی ہے۔

(۶) سورج جلاتا ہے اور معرفت آگ سے نجات دلاتی ہے۔

(۷) سورج کبھی فائدہ دیتا ہے کبھی نقصان اور معرفت ہمیشہ نفع ہی دیتی ہے۔

(۸) سورج کا نفع صرف دنیا میں ہے اور معرفت کا فائدہ دنیا و آخرت دونوں جگہ ہے۔

(۹) سورج زینت ہے اہلِ ارض کے لئے اور معرفت زینت ہے اہلِ سماء کے لئے۔

(۱۰) سورج سے وجودِ خلق منکشف ہوتا ہے اور معرفت سے وجودِ خالق۔

(۱۱) سورج دوست اور دشمن دونوں پر چمکتا ہے مگر معرفت صرف دوست کے لئے ہے۔

ایمان کی تشبیہیں

(۱) تراب۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (پاک زمینوں سے باذنِ خدا گھاس اُگتی ہے) تراب صاحبِ امانت ہے جو چیز اس میں سونپو وہ اس سے زیادہ واپس کرتی ہے۔ یہی حال مومن کا ہوگا جب وہ عملِ صالح کرے گا تو روزِ قیامت اس کی جزا دہ چند ملے گی اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ دوسرے خاصیتِ تراب یہ ہے کہ بُری سے بُری چیز اس میں ڈالی جائے تو وہ اچھی ہو کر نکلتی ہے یہی حال ایمان کا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ اس میں ڈالو تو ثمراتِ مغفرت و رحمت و رضوان اس سے پیدا ہوں گے۔

(۲) آب۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا) جس طرح پانی نجس چیزوں کو پاک کرتا ہے اسی طرح ایمان نجاستِ کفر و معاصی کو دل سے دھو ڈالتا ہے۔

کمالِ ایمان کیا ہے

لَا يَسْتَكْمِلُ الْعَبْدُ حَصِيْصَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَكُوْنَ خَيْرُهٗ مَامُوْلًا وَشَرُّهٗ مَامُوْنًا وَيَكُوْنَ الضَّعَةُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الرِّفْعَةِ وَالْفَقْرُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْغِنٰى وَالذُّلُّ فِى اللّٰهِ اَحَبَّ لِلّٰهِ مِنَ الْعِزِّ فِىْ مَا سِوَاهُ وَيَسْتَكْثِرُ الْقَلِيْلَ مِنْ عَمَلِ غَيْرِهٖ وَيَسْتَقِلَّ الْكَثِيْرَ مِنْ عَمَلِ نَفْسِهٖ وَلَا يَرٰى اَحَدًا اِلَّا ظَنَّ اَنَّهٗ خَيْرٌ مِّنْهُ کسی بندے کے ایمانی حصے اس وقت پورے

ہوتے ہیں جب تک اس سے خیر کی لوگوں کو امید ہو اور اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں اور منفعت اس کی نظر میں رفعت سے زیادہ محبوب ہو اور فقیری مالداری سے زیادہ محبوب ہو اور راہِ خدا کی ذلت دنیا کی عزت سے زیادہ پسندیدہ ہو وہ دوسروں کے تھوڑے سے عمل کو بھی زیادہ سمجھتا ہے اور اپنے زیادہ عمل کو بھی کم جانتا ہے جس کو دیکھتا ہے یہی گمان کرتا ہے کہ یہ نیکی والا ہے

ایمان کے بارہ میں حضرت لقمان کی وصیت

اے بیٹے ایمان سات حصوں کا نام ہے اور ہر چیز ان میں سے حق ہے اَلْیَقِیْنُ وَالْمَخَافَۃُ وَالْمَعْرِفَۃُ وَالْھُدیٰ وَالْعَمَلُ وَالتَّفَکُّرُ وَالْوَرَعُ۔ حقیقت یقین صبر ہے حقیقت خوفِ الطاعت۔ حقیقت معرفت ایمان حقیقت ہدایت البصیرت حقیقت عملِ نیک تفکر بیداری اور حقیقتِ ورع فرار ہے گناہوں سے۔

ارکانِ ایمان

ارکانِ ایمان چار ہیں توحید بلا حَدٍ۔ ذکر بلا لَبْثٍ۔ وَجْدٌ بلا وَقْتٍ وحال بلا لَغَبٍ۔

مومن کی چار خصلتیں

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں اَلْمُؤْمِنُ اِذَا قَالَ صَدَقَ وَاِذَا وَعَدَ وَفیٰ وَاِذَا اُئْتُمِنَ اَدّیٰ وَاِذَا عَاھَدَ لَمْ یَغْدِرْ۔ مومن وہ ہے کہ جب بولے تو سچ بولے۔ جب وعدہ کرے تو وفا کرے جب امین بنے تو امانت کو ادا کرے اور جب عہد کرلے تو اُسے توڑے نہیں۔

عقول معرفت ذاتِ باری سے عاجز ہیں

مَنْ اَشَارَ اِلَیْہِ فَھُوَ ثَنَوِیٌّ وَمَنْ کَیَّفَہٗ فَھُوَ وَثَنِیٌّ وَمَنْ نَطَقَ فِیْہِ فَھُوَ غَافِلٌ وَمَنْ سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ جَاھِلٌ وَمَنْ وَھَمَ اَنَّہٗ وَاصِلٌ لَیْسَ لَہٗ حَاصِلٌ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ قَرِیْبٌ فَھُوَ بَعِیْدٌ وَمَنْ تَوَھَّمَ اَنَّہٗ وَاجِدٌ فَھُوَ فَاقِدٌ۔ جس نے خدا کی طرف اشارہ کیا اس نے دو خدا مانے اور جس نے اس کو کسی کیفیت سے متصف کیا وہ بُت پرست بن گیا اور جس نے اس کی کُنہ ذات کے بارہ میں کلام کیا وہ غافل ہے اور اس کی آثارِ قدرت کے بارہ میں کلام کرنے سے چپ رہا وہ جاہل ہے جس نے یہ وہم کیا کہ وہ کسی شئے سے ملنے والا ہے اُسے کچھ حاصل نہ ہوا اور جس نے یہ گمان کیا کہ وہ کسی شئے کے پاس ہے تو وہ اس کی معرفت سے دُور ہو گیا اور جس نے یہ گمان کیا کہ وہ خدا کا پانے والا ہے وہ اس کو کھونے والا بن گیا۔

کنہ ذاتِ باری تک عقل کی رسائی ناممکن

خدا غیر متناہی ہے ذات اور صفت میں اور عقل بلحاظ ذات و صفت متناہی ہے اور متناہی کے لئے غیر متناہی کا سمجھنا ناممکن کیونکہ جہاں تک عقل کی رسائی ہے وہ چونکہ زمانہ کی قید سے آزاد نہیں اس لئے متناہی ہے۔ مثلاً ہم اب سے پچاس لاکھ برس کا زمانہ فرض کرلیں اور ایک ایک لمحہ کو پچاس پچاس ہزار برس کا مان لیں پھر بھی اس کی ایک انتہا ہوگی اور اس کا ایک اول ہوگا اور خداوند عالم کے لئے نہ انتہا ہے نہ ابتدا پس ایسی ذات کا احاطہ عقل کر کیسے سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جہاں تک عقل و خیال پہنچ سکیں نہ وہ خدا ہے نہ قدیم و ازلی۔ اسی لئے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کُلُّ مَا تَصَوَّرْتَ فِی وَهْمِکَ فَاللّٰہُ بِخِلَافِہٖ ہر وہ شے جو تیرے تصور میں آئے اللہ اس کے علاوہ ذات ہے۔

معرفتِ ذاتِ الٰہی میں انسان کی مثال

معرفتِ ذاتِ باری میں انسان کی مثال اس طفل کی سی ہے جو آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر اس کا مشتاق ہو کہ اس سے قریب ہو جائے اور جب قریب ہو تو یہ چاہے کہ اسے پکڑ لے لیکن جب ہاتھ بڑھائے تو اسے حجاب معلوم ہو۔ بس یہی حال انسان کی قوتِ عقلی کا ہے کہ جب وہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ کے آئینہ کو دیکھتی ہے تو اسے عَرَفَ رَبَّہٗ کی تجلی نظر آتی ہے پس عقل کنہ ذاتِ صمدیہ تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس تک پہنچنا اس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔ پس اس بارہ میں جتنا عقل آگے بڑھنا چاہے گی عاجز رہے گی اور اس کے سرادقِ جلال تک پہنچنے سے پہلے ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے ضَلَّتِ الْعُقُوْلُ فِیْ بِحَارِ عَظْمَتِہٖ وَحَارَتِ الْاَلْبَابُ دُوْنَ کُنْہِ عِزَّتِہٖ وَکَلَّتِ الْاَلْسُنُ عَنْ وَصْفِ جَلَالِہٖ وَمَدْحِ کَمَالِہٖ وَکُلُّ مَنْ اَغْرَقَ فِی التَّعْبِیْرِ اَصْبَحَ مَنْسُوْبًا اِلَی الْغَیِّ۔ عقلیں اس کی بحارِ عظمت میں گم ہو گئیں اور افہام اس کی کنہ ذات میں حیران ہو کر رہ گئیں اور زبانیں اس کے جلال کے وصف میں گونگی ہو گئیں جو اس کے کنہ ذات کی تعریف میں ڈوبا وہ گمراہ ہو گیا۔

بیانِ حکمتِ خلقتِ انسان

تمام مخلوقات چار قسم پر ہے (۱) جسے عقل ہے اور شہوت نہیں جیسے ملائکہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۲) جسے شہوت ہے عقل نہیں جیسے حیوان (۳) جسے عقل بھی ہے اور شہوت بھی ہے جیسے انسان۔ پس اگر شہوت عقل پر غالب آ گئی تو بہائم سے جا ملا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اور اگر عقل شہوت پر غالب آ گئی تو ملائکہ سے جا ملا وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (۴) جسے نہ عقل ہے نہ شہوت جیسے جمادات۔

چونکہ انسان میں غضب اور شہوت دونوں چیزیں جمع تھیں اسی وجہ سے ملائکہ کو فساد کا خیال ہوا کیونکہ فساد شہوت سے

پیدا ہوتا ہے اور خونریزی و سفک و مار فضہ سے پس اُس مدبر عالم نے جس کا علم کلیات و جزئیات سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے فرمایا اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْن گویا مراد الٰہی یہ تھی کہ اس کی تخلیق و تکوین سے میری حکمت و رحمت و قدرت کا کمال ظاہر ہوگا کیونکہ یہ وہ گروہ ہوگا جو باوجود شہوت و قوت میری درگاہ میں بے انتہا تنزل کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند ہوں گے۔

مخلوقات کی تقسیم عقلی

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات تین طرح کی ہے:

(۱) ارواح قدسیہ نورانیہ ربانیہ بلا اجساد (۲) اجساد بلا ارواح (۳) جسد اور روح سے مرکب پہلی قسم ملائکہ کی ہے اسی وجہ سے خدا فرماتا ہے وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ۔ اگر کہا جائے کہ حیوانات میں تو روح ہے پس وہ کیوں دوسری قسم میں داخل ہیں تو جواب یہ ہے کہ مراد روح سے وہ چیز ہے جو مدارک معقولات و مجردات ہے اور اس کا وجود حیوانات میں نہیں ہے اب رہی تیسری قسم جو ارواح علویہ اور اجساد سفلیہ سے مرکب بنی ہے وہ انسان ہے اس کا جسم تو عالم خلق سے ہے اور روح عالم امر سے ہے۔ خدا فرماتا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ جسم انسان تسویہ درجہ بدرجہ ترقی سے حاصل ہوا ہے اور روح نفخ سے چنانچہ فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ اس کا جسم اس حالت سے ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ پھر چھ خلقی مرتبے طے کرنے کے بعد ساتواں مرتبہ روح کا ہوتا ہے جس کے متعلق فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ پس طاعت جسم اشتغال بالعبادات ہے اور طاعت روح توکل علی الخالق جیسا کہ آخر سورۂ ہود میں فرماتا ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْهِ۔

خلقت انسانی میں کمال قدرت

روح علوی ہے اور بدن سفلی ہے اور یہ دونوں ضد ہیں۔ روح نورانی ہے اور بدن ظلمانی اور نور و ظلمت ضد ہیں روح لطیف اور بدن کثیف ہے اور لطافت و کثافت ضد ہیں روح سماوی ہے اور بدن ارضی اور ارض و سما باہم ضد ہیں روح رحمانی ہے اور بدن شیطانی۔ روح کے رحمانی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ نہیں رغبت کرتی مگر معرفت اللہ کی طرف اور نہیں خوش ہوتی مگر عبادتِ اللہ سے اور نہیں مائل ہوتی مگر محبت اللہ کی طرف اور نہیں مسرور ہوتی مگر انوار جلال ایزدی سے اور نہیں مطمئن ہوتی مگر ذکر اللہ سے۔ اور بدن کے شیطانی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ نہیں غذا پاتا مگر عالم جسمانیات کی تلچھٹ سے اور نہیں خوش ہوتا مگر شہوانیات و ظلمانیات میں غوطہ لگانے سے اور جب یہ حالت ہے تو جسم اور روح میں پوری مباینت ہے پس ان دونوں کا جمع کرنا دلیل ہے اس کی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ عالیہ کی۔

حیاتِ دنیا کی ایک مثال

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں انسان ایک مسافر ہے اور دنیا اس کی گزرگاہ ہے نہ کہ جائے قرار۔ ماں کے پیٹ سے اس کے سفر کی ابتدا ہے اور آخرت اس کی منزل مقصود ہے زمانہ حیات اس کی مسافت کی مقدار ہے۔ برس اس کی منزلیں ہیں مہینے اس کے فرسخ ہیں ایام اس کے میل ہیں۔ انفاس اس کے قدم ہیں۔

خلقتِ انسانی میں قدرتِ الٰہی کا کمال

جب کوئی نقاش نقش بنانا چاہتا ہے تو سخت و کثیف سطح کو تلاش کرتا ہے لیکن کمالِ قدرتِ الٰہی یہ ہے کہ اس نے وجود انسانی کا نقش بہتے ہوئے پانی کی موجوں پر بنایا۔ ایک قطرۂ آب کا وجود دیکھو اور اس پر نقاش فطرت کا قلم چلانا دیکھو اعضاء کے حدود قائم کئے ان کے زاویے قاعدے بنائے ان میں رگ و پے کے نقش کھینچے اعصاب و عضلات کے خطوط بنائے۔ خون دوڑانے والی نالیوں کی داغ بیل ڈالی ہڈیوں کے نشان دیئے مفاصل و مخارج کی تصویریں کھینچیں اعضاء کا باہمی تعلق پیدا کیا غرضکہ ایک ناچیز قطرہ کی سطح پر عالم اکبر کا اتنا عریض و طویل نقشہ پھیلا دیا کہ ... جس کے حدود پا نہیں سکتی اس کے مقام و منازل کو سمجھ نہیں سکتی۔

اطبا کی تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلے ... رحم مادر کے اندر تین سفید نقطے نمودار ہوتے ہیں ایک اوپر کی جانب اور دو اس سے ذرا نیچے داہنی اور بائیں جانب۔ اوپر والا نقطہ آگے چل کر دماغ بن جاتا ہے اور داہنی طرف والا جگر اور بائیں طرف والا دل۔ جب یہ اعضائے رئیسہ بن جاتے ہیں تو پھر دوسرے ماتحت ... بنتے ہیں۔ یاد رہے فطرت رئیسوں اور حاکموں کو خود بناتی ہے اعضاء کو اجماعی حیثیت سے انتخاب کا حق نہیں دیتی دوسرے وہ حاکم و رئیس کا تعین و تشخص پہلے ہی کر دیتی ہے پس غور کرو اسلام جو فطری دین ہے وہ اس قاعدہ کو کہاں بھول سکتا تھا اور کیونکر ممکن تھا کہ رسول بغیر کسی امیر و حاکم کا تقرر کئے دنیا سے اٹھ جاتے۔

(۲) وہ جگہ جس پر نقش بنایا جائے وسیع ہونی چاہیئے اور روشن ہونی چاہیئے لیکن ... کی عمارت کا تمام نقشہ نہایت تنگ و تاریک مقام پر بنایا جاتا ہے سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ خود ہی فرماتا ہے ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔

(۳) بڑے سے بڑے سمندروں میں بھی ایک ہی قسم کی موجیں ہوتی ہیں لیکن یہاں ایک ذرا سے قطرہ میں قوتِ غضبی کی بھی موجیں ہیں اور قوتِ شہوی کی بھی۔ قوتِ فکری اور عقلی کی بھی۔ ایک قطرہ میں خطوطِ اعضاء و جوارح کے علاوہ بے شمار نقوش ظاہری اور باطنی قوتوں کے بھی بنائے۔

(۴) ہر نقاش اور کاتب جو نقش کرتا یا لکھتا ہے وہ ظاہر جسم پر ہوتا ہے اور ظاہر سے باطن کی طرف جاتا ہے لیکن یہاں نقاش ازل باطن میں نقش کرتا ہے اور پھر اس کا اثر ظاہر میں ہوتا ہے۔

(۵) ہر نقاش جب کوئی نقش بناتا ہے اسے چار چیزوں سے بچاتا ہے اول خاک کہ رونق نقش کو کھوتی ہے۔ دوسرے پانی جو رونق نقش کو دھو دیتا ہے۔ تیسرے ہوا سے کہ وہ رنگ پھینکا کر دیتی ہے۔ چوتھے آگ سے کہ وہ جلانے والی ہے۔ لیکن نقش الہی اس کے خلاف ہے اس نے اس نقش کو بنایا ہی مٹی پر ہے اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِن تُرَابٍ اور خلقت دوابہ پانی سے کی خلق کل دابۃ من ماءٍ اور خلقت عیسیٰ ہوا سے فَنَفَخنَا فِیہِ مِن رُّوحِنَا اور ان کے نفخ کو سبب تخلیق حیوانات قرار دیا۔ اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللّٰہ اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا۔ وَخَلَقَ الجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ۔

اعضائے بدنی کے مقام

خدا نے پہلے دل پیدا کیا کہ وہ سریر روح، مدرسہ معرفت اور منزل محبت ہے پھر دماغ کو اس کے اوپر پیدا کیا اور جگر کو اس کے نیچے کیونکہ دماغ منشائے عقل ہے اور وہ واسطہ ہے درمیان دل اور عالم سفلی کے۔ پس علوی کو علوی قرار دیا اور سفلی کو سفلی تاکہ درجات قائم ہوں۔ عالم اکبر میں بھی جو حصہ جہاں رکھنے کے قابل ہوتا ہے وہیں رکھا جاتا ہے۔ کوئی غار میں رہا کوئی دوش رسول مختار پر۔

دل اور اس کی وزارت

قلب سلطان بدن ہے لیکن یہ منصب بلحاظ جسم نہیں دیا گیا ورنہ اس صورت میں ران سب سے زیادہ مستحق ہوتی کیونکہ وہ قد میں بڑی ہے اور بھاگنا خوب جانتی ہے یہاں تک کہ جان بچانے کے لئے پہاڑ پر جا چڑھتی ہے اور نہ اس کا سبب تیزی ہے ورنہ پتہ اس کے لئے زیادہ مناسب تھا اور نہ اس کا سبب سختی ہے ورنہ ہڈی ہوتی اور نہ بسبب تیزی اور کاٹ سکنے ہے ورنہ دانت ہوتے اور نہ بسبب کثرت ذخیرہ ہے ورنہ معدہ ہوتا۔ جب یہ سب باتیں باطل ہوئیں تو دل کے لئے صرف ایک ہی خاصیت باقی رہی وہ یہ ہے کہ وہ معدن علم و حکمت اور مخزن فہم و ادراک ہے۔ دماغ اس کا وزیر اسی لئے مانا گیا ہے کہ وہ بھی صاحب فہم و دانش ہے بلکہ قلب کے علوم کا دروازہ ہے۔

قاتلانِ حسین سے امیر مختار کا سلوک

امیر مختار رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے گھر تک منہدم کرا دیئے تھے اور ان کو سخت سزائیں دی تھیں جن میں اس

ناقہ کا گوشت تقسیم ہوا تھا جس کو فوجِ یزید پکڑا کرلے گئی تھی۔

حضرت محمد حنفیہ اور عبد اللہ بن زبیر

جب ابنِ زبیر کا حرمین پر تسلط ہوگیا تو اس نے حضرت محمد حنفیہ کو اپنی بیعت پر مجبور کیا اور قتل کی دھمکی دی۔ انہوں نے مہلت مانگی۔ ابن زبیر نے پہلے تو انکار کر دیا پھر اس شرط سے منظور کیا کہ آپ اس کی حراست میں جواب دینے تک رہیں چنانچہ چاہِ زمزم کے قریب ایک حجرہ میں آپ کو قید کیا گیا۔ اٹھارہ روز حضرت محمد حنفیہ وہاں رہے۔ بے حد سختی کی گئی مگر آپ نے صبر کیا۔ ابنِ زبیر نے چاہا کہ جلد از جلد یا تو ان سے بیعت لے یا ان کو آگ میں جلا دے چنانچہ حرم کے قریب ہی لکڑیوں کا انبار لگنا شروع ہوا گویا معاذ اللہ خانۂ ابراہیمی کو آتشکدہ نمرودی بنانا چاہتا تھا۔ جب حضرت محمد حنفیہ نے یہ خبر سُنی تو آپ نے امیر مختار کو ایک خط بھیجا اور تمام واقعہ تحریر فرمایا۔ مختار کو بڑا غیظ آیا اسی وقت ایک لشکر جرار مکہ بھیجا۔ ابنِ زبیر کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لاسکی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت محمد حنفیہ قید سے رہا ہوئے امیر مختار نے بہت سے ہدیے اور تحفے ان کو بھیجے تھے محمد نے وہ سب امام زین العابدین علیہ السّلام کی خدمت میں بھیج دیئے۔

خونِ حسین کا بدلہ لینے والا

بہت لوگوں نے خونِ حسین کا بدلہ لینے کی آڑ پکڑ کر جاہ و سلطنت کو اپنا نصب العین بنایا چنانچہ عبد اللہ بن زبیر کا خیال بھی ایک عرصہ تک یہی رہا اور لوگوں کی ہمدردی حاصل کر کے جب ذرا عروج ہوا تو پھر اپنی رگ پر آگیا اسی طرح بنی عباس بھی خونِ حسین کی آڑ لیکر بنی امیہ سے لڑے لیکن جب مروانِ حمار کو شکست دے کر ملک پر قابض ہوگئے۔ تو پھر اولادِ علی و فاطمہ کے قتل کی تدبیریں ہونے لگیں اور وہ وہ مظالم کئے کہ لوگ بنی امیہ کے مظالم بھول گئے لاکھوں بے گناہ سیّدوں کی جانیں بے دردی سے ضائع ہوئیں تاریخ اس پر شاہد ہے۔

البتہ اس معاملہ میں امیر مختار ثابت قدم رہے اور آخر وقت تک آپ کے خلوص میں فرق نہ آیا ایک طرف تو دشمنانِ اہلبیت کے لئے آپ کی تلوار تیز تھی اور دوسری طرف اہلبیت سے حسنِ عقیدت بڑھتا جاتا تھا ہر طرح ان کی خدمت اپنا فرض جانتے تھے۔ دنیا ان پر کچھ بھی الزام لگائے مگر ہمارے پانچویں امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے مختار کو بُرا نہ کہو اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا اور ہمارے خونِ ناحق کا عوض لیا۔ تنگدستی کے وقت ہماری مالی مدد کی اور پھر فرمایا خدا ان پر رحم کرے واللہ انہوں نے کسی پر ہمارا حق بغیر لئے نہیں چھوڑا۔

امام زین العابدین علیہ السّلام کی پیشنگوئی

امام زین العابدین علیہ السّلام نے مختار کے خروج کے متعلق پیشنگوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہمارے دوستوں میں

وہی ایک شخص ہے جو ہمارے پاس ابن زیاد اور شمر ذی الجوشن کے سروں کو اس وقت بھیجے گا جب میں کھانا کھا رہا ہوں گا کیونکہ میں بھی جب دربار ابن زیاد میں داخل ہوا تھا تو وہ شقی بھی کھانا کھا رہا تھا میں نے اس وقت دعا کی تھی کہ پروردگار مجھے بھی وہ دن دکھا کہ میں کھانا کھاتا ہوں اور اس شقی کا سر میرے روبرو رکھا ہو۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب ان دونوں بدبختوں کے سر بیمار کربلا کے سامنے آئے تو آپ مع اپنے اصحاب کے کھانا کھا رہے تھے۔ سروں کو دیکھ کر سجدۂ شکر میں گر گئے اور فرمایا اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایا جب تک میرے باپ کے قاتلوں کے سر مجھے نہ دکھا دیئے۔

عبداللہ بن زبیر کا قتل حرم میں

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کی فوج نے ابن زبیر کو خاص حرم میں قتل کیا اور حجاج نے اس قتل کے بعد مسجد الحرام کو خوب پانی سے دھلوایا یہی وجہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام کعبہ میں نہ رہے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حرم خدا کی وقعت بنی امیہ کی نظر میں معمولی مکان سے زیادہ نہیں۔

عبدالملک کے زمانہ میں شیعوں کی حالت

عبدالملک نے ابن زبیر کی شکست کے بعد حجاج کو تمام عراق کا والی مقرر کیا۔ اس ظالم کو خاندان رسالت سے سخت عداوت تھی اس نے کوفہ کے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ جہاں کوئی شیعہ ہو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ اس ظالم نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک لاکھ شیعہ قتل کئے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ کوئی قاضی امیر المومنین علیہ السلام کے فتوے کے مطابق حکم نہ دے۔ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ ایک دن اس نے قاضی شریح کو بلا کر ایک مسئلہ پوچھا اور اس سے کہا اس مسئلہ میں خلفائے راشدین کا حکم جدا جدا بیان کرو۔ جب نوبت امیر المومنین علیہ السلام کی آئی تو اس خبیث نے کہا میں اس اہل حمص کی رائے سننا نہیں چاہتا۔

ایک لطیفہ

روضۃ الصفا میں ہے کہ حجاج نے ایک خط عبدالملک کے پاس بھیجا اور اس میں لکھا میں نے جب قرآن میں یہ آیت پڑھی اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین تو دل میں آیا کہ شہداء کے بعد الخلفاء اور زیادہ کر دوں۔ عبدالملک نے جواب دیا خدا تجھے قتل کرے تیری جرأت اس حد تک پہنچ گئی۔ اس نے جواب میں لکھا یہ بات میں نے آپ ہی کے پدر بزرگوار سے سیکھی ہے کیونکہ انہوں نے بھی آل عمران کی جگہ آل مروان بنوانا چاہا تھا۔

جناب سعید بن جبیر اور حجاج کے مظالم

جناب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حجاج نے کہا کیا شقی بن کسیر تم ہی ہو۔ انہوں نے فرمایا میری ماں میرے نام کو تجھ سے بہتر جانتی تھی اس نے میرا نام سعید بن جبیر رکھا ہے۔ حجاج نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ خلیفہ اول و ثانی کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے آیا وہ بہشت میں ہوں گے یا دوزخ میں۔ سعید نے فرمایا اگر بہشت میں جاؤں اور اہل بہشت کو دیکھوں تب پہچانوں۔ حجاج نے پوچھا اور خلفا کی نسبت کیا کہتے ہو۔ فرمایا میں ان کا وکیل نہیں۔ اس نے پوچھا ان میں سے کس کو زیادہ دوست رکھتے ہو فرمایا جو میرے پروردگار کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا اس کا علم اسی کو ہو سکتا ہے جس کو ظاہر و باطن کا علم ہو۔ وہ غضبناک ہو کر بولا تو سچ سچ حال بیان کرنا نہیں چاہتا۔ فرمایا میں تجھ سے کوئی جھوٹ بات کہنی چاہتا ہی نہیں۔ یہ سنکر حجاج نے جناب سعید کے قتل کا حکم دیا۔ اسی طرح بہت سے شیعیانِ علی کو اس ظالم نے قتل کیا۔

جناب قنبر کا قتل

جب ظالم حجاج بہت سے شیعیانِ علی کو قتل کر چکا تو ایک دن اس نے ایک بڑا جشن قرار دیا اور پوچھنے لگا اب تو کوئی دوستداران علی سے باقی نہیں۔ ایک شقی نے کہا قنبر علی کا آزاد کردہ غلام فلاں قریہ میں رہتا ہے اس نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا جناب قنبر گرفتار ہو کر آگئے ضعیفی کا یہ عالم تھا کہ بھوؤں کے بال تک سفید ہو گئے تھے۔ جب سامنے آئے تو پوچھا تم علی کی کیا خدمت کیا کرتے تھے فرمایا وضو کے لئے پانی لاتا تھا مصلےٰ بچھاتا تھا۔ کہا کیا تم بھی علی کے بندوں میں سے ہو۔ فرمایا بندہ تو خدا کا ہوں علی تو میرے آقا و مولا تھے۔ حجاج نے کہا ان کے مذہب کو چھوڑ دو فرمایا کوئی مذہب اس سے اچھا بتا دے چھوڑ دوں گا۔ اس نے کہا میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں پس جس طرح تجھے اپنا قتل منظور ہو بیان کر۔ فرمایا جس طرح کا عذاب روز قیامت تو اپنے لئے پسند کرے وہی میرے لئے اختیار کر جس طرح تو مجھے یہاں قتل کرے گا اسی طرح میں تجھے وہاں قتل کروں گا۔ واللہ میرے آقا امیر المومنین نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرا سر قلم کرے گا۔ چنانچہ حجاج نے اسی طرح قتل کیا۔

روضۃ الصفا میں ہے کہ ظالم حجاج نے ایک روز عبد الملک کو خوش کرنے کے لئے کہا تھا میں نے ایک لاکھ شیعوں کو اس لئے ذبح کیا ہے کہ یزید کے عیوب کی پردہ دری نہ ہو۔

ریاست عامہ

جسم انسان کا بادشاہ دل ہے اور خدا کے حکم سے رعایا اس کی اتنی مطیع کہ اس کے کسی حکم سے انحراف نہیں۔ کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سب اس میں شریک ہو جاتے ہیں اور بادشاہ اتنا رعایا پرور ہے کہ سب کے حقوق کا برابر لحاظ رکھتا ہے۔

نطفہ انسانی میں سب سے پہلے دل ہی کا نقطہ بنتا ہے۔ اور سب سے آخر میں دل ہی ساکن ہوتا ہے۔ رعایا سے پہلے بھی رئیس ہوتا ہے اور آخر میں جب سب رعایا کو رخصت کر دیتا ہے اور کوئی شے انتظام کے لئے باقی نہیں رہتی تو خود بھی رخصت ہو جاتا ہے عالم اکبر کا بھی یہی حال ہے۔ خدا نے اپنے خلیفہ بنانے کا طریقہ بندوں کے طریقوں سے جدا رکھا ہے خدا نے جو اوصاف اپنے خلیفہ میں رکھے ہیں وہ بندوں کے لئے اپنے منتخب خلیفہ میں پیدا کرنے ممکن نہیں بندے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ میں نہ عصمت پیدا کر سکتے ہیں نہ طہارت نہ وہ عالم علم لدنی ہو سکتا ہے۔ نہ حقوق الناس کا صحیح معنی میں حفاظت کرنے والا۔

رسول کو لڑکی کیوں دی گئی

رسول زن و مرد دونوں کے لئے رسول بنکر آئے تھے اور احکام الٰہی مرد و زن دونوں صنفوں سے وابستہ تھے۔ اگر عملی کمالات دکھانے والے پیشوا صرف ذکور ہی ہوتے تو طبقہ اناث کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ مرد چونکہ نسوانی خصوصیات سے آزاد ہیں لہذا ایسا کرتے ہیں۔ اگر عورت ہوتے اور امور خانہ داری میں ہماری طرح پھنسے ہوتے اور پھر عبادت میں کمال دکھاتے تو ہم جانتے غرض طبقہ اناث پر حجت تمام کرنے کو خدا نے اپنے رسول کو ایسی بیٹی دی جو باوجود امور خانہ داری اس قدر عبادت کرتی تھیں کہ قدرت ان کو راحت دینے کے لئے نیند کو غالب کرتی تھی۔ چنانچہ ایک روز جناب سلمان نے روزن حجرہ سے دیکھا کہ سیدہ تو سو رہی ہیں اور چکی خود بخود چل رہی ہے اور حسین کا جھولا خود بخود ہل رہا ہے اور ایک غیبی ہاتھ تسبیح گھما رہا ہے۔

ایمان کی برکتیں

ایمان وہ چیز ہے کہ اگر دل میں داخل ہو جائے تو غیر کو اپنا بنا دے۔ کافر کو بزم رسالت میں بیٹھنے کے قابل کر دے۔ قرآن جیسی مقدس کتاب اس کے ہاتھوں پر آ جائے۔ ملک سے مصافحہ ہو جائے۔ بارگاہ الٰہی تک اس کی آواز پہنچنے لگے اور وہاں سے کچھ لے کر آنے لگے اور اس مرتبہ تک پہنچ جائے کہ خدا اس کی ملاقات کا مشتاق ہو۔ اگر یوں ہی اطاعت کرنے والا اطاعت کئے چلا جائے تو پھر نہ پوچھو کمال کہاں جا کر ٹھہرتا ہے۔ حدیث قدسی میں خود فرماتا ہے عَبدِی اَطِعنی اجعلک مثلی پس جب اپنی مثل بنالے تو پھر رہ کیا گیا۔

ذوالفقار علی کی سپر

علی کی تلوار وہ تلوار تھی کہ جس کی ضرب کو نہ زمین کی چھاتی سہ سکی اور نہ پہاڑوں کی پشت اٹھا سکی نہ ملک کا بازو روک سکا نہ فلک کا جسم اگر اس بے پناہ تلوار کے لئے کوئی سپر تھی تو ایمان یعنی ادھر کافر نے ایمان قبول کیا ادھر علی نے تلوار روک لی تلوار بھی خدا کے یہاں کی آئی ہوئی اور سپر بھی خدا کے یہاں کی بھیجی ہوئی۔

ایمان کی عظمت کا حال اسی سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس دولت کے تقسیم کرنے کے لئے محمد مصطفےٰ جیسا نبی جو حبیب خدا ہے بھیجا وہ حبیب جو رحمۃ للعالمین اور سراج رب العالمین بنکر آیا۔

حدیث ثقلین کے متعلق ایک نکتہ

اگر رسول نے خلیفہ نہیں بنایا تو اپنے بعد قرآن اور اہلبیت سے تمسک کا حکم کیوں دیا۔ کیا جس طرح اہلبیت کو چھوڑ کر دوسرا خلیفہ بنالیا گیا اسی طرح قرآن کو چھوڑ کر بھی دوسری کتاب اختیار کی جا سکتی ہے اگر نہیں تو کیوں؟ دونوں چیزیں تمسک میں برابر کی شریک ہیں پس ایک سے تعلق رکھنا اور دوسرے کو چھوڑ دینا کیا عقلاً درست ہے، نیز یہ کہ کیا اس سے توہین کلام رسول لازم نہیں آتی۔ اگر خلفائے ثلثہ برحق تھے تو معاذ اللہ رسول نے یہ کیسی گمراہی پھیلائی کہ حکم تمسک تو دیا اہلبیت سے اور خلیفہ بنائے گئے فلاں اور فلاں کو۔

حضرت اُمّ سلمہ اور خاک کربلا

حضرت رسول خدا نے جناب ام سلمہ کو جو مقتل حسین کی خاک عطا فرمائی تو اس سے کئی کرامتیں آنحضرت کی ظاہر ہوئیں اول یہ کہ شہادت کی خبر جس طرح دی تھی ویسے ہی واقع ہوئی۔ دوسرے آپ نے خبر دی تھی کہ یہ خاک روز عاشورہ سرخ ہو جائے گی اور تازہ خون اس سے جوش مارنے لگے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیسرے اس مٹی کا امانت دار حضرت اُمّ سلمہ کو بنایا تھا کیونکہ حضرت جانتے تھے کہ یہ دوستداران اہلبیت ہیں اور اس واقعہ کو نہ چھپائیں گی اور یہ کہ صاحب دیانت ہیں اس امانت کو ضائع نہ کریں گی۔ چوتھے حضرت کو خبر تھی کہ اُمّ سلمہ اس وقت تک زندہ رہیں گی۔ پانچویں جناب اُمّ سلمہ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ وہ کربلا میں موجود نہ ہوں گی۔

اسرار حروف مقطعات قرآن

کل قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں مع سورۂ حمد۔ ان میں سے ۲۸ حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں حروف مقطعات کل ۷۸ ہیں ان کی تلخیص کی جائے تو کل چودہ حرف رہتے ہیں یعنی مکرر حروف کو ترک کرنے کے بعد مندرجۂ ذیل چودہ حرف رہتے ہیں

ا - ل - م - ر - ک - ہ - ی - ع - ص - ط - س - ح - ق - ن

ان حروف کو اگر ترتیب دیا جائے تو ستاسی ارب سترہ کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار دو سو عبارتیں بنتی ہیں مگر ان میں با معنی اور لطیف عبارت صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے۔

صِرَاطُ عَلِیٍّ حَقٌّ نُمْسِکُہٗ (حضرت علی کا راستہ سیدھا ہے اسی سے ہم تمسک کرتے ہیں)

ان چودہ حروف میں سے تین نقطہ دار ہیں گیارہ بے نقطہ جس سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ چودہ میں سے تین کی عزت خاص ہے یعنی نبی و علی و فاطمہ۔ ن سے مراد نبی۔ ق سے مراد علی۔ ظاہر بینوں کے نزدیک بے ادبی معلوم ہوتی ہے کہ ن سے مراد نبی ہوں جس کے عدد ۵۰ ہوں اور ق سے مراد علی جس کے عدد ۱۰۰ ہیں لیکن جب علی دوش رسول پر سوار ہوا تو دو گنا ہو جاتا ہے۔

ق سے مراد علی کیوں ہیں اس میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ تمام اعداد میں ۹ کا عدد کامل ہے ثبوت یہ ہے کہ جس طرح شریف آدمی چاہے کسی درجہ پر پہنچ جائے مگر اپنی اصلیت نہیں چھوڑتا اسی طرح یہ عدد بھی چاہے کسی درجہ پر پہنچ جائے مگر اپنی اصلیت نہیں چھوڑتا مثلاً اس کو دو گنا کرو ۱۸ ہوئے ۸+۱=۹۔ تین گنا لو ۲۷ ہوئے ۷+۲=۹۔ گنا لو ۳۶ ہوئے ۶+۳=۹ پانچ گنا لو ۴۵ ہوئے ۵+۴=۹ چھ گنا لو ۵۴ ہوئے ۴+۵=۹۔ سات گنا لو ۶۳ ہوئے ۳+۶=۹ آٹھ گنا ۷۲ ہوئے ۲+۷=۹ نو گنا ۸۱ ہوئے ۱+۸=۹ دس گنا ۹۰ ہوئے۔ گیارہ گنا ۹۹ ہوئے ۹ کی صورت باقی ہے بارہ گنا ۱۰۸-۸+۱=۹ تیرہ گنا ۱۱۷-۷+۱+۱=۹ چودہ گنا ۱۲۶-۶+۲+۱=۹ پندرہ گنا ۱۳۵-۵+۳+۱=۹ علیٰ ہذا القیاس

اب ق کو لو اس کے عدد ۱۰۰ ہیں ۹ کا شریف عدد اس میں سے گیارہ بار برآمد ہو سکتا ہے اور پھر ایک باقی رہتا ہے ۹×۱۱=۹۹ باقی ایک۔ اس سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جو ذات ق سے مراد ہے (حضرت علی) اس سے گیارہ کامل ذاتیں پیدا ہوں گی اور ایک وہ خود ہے۔ اول نبی کے بارہ اوصیاء کی تعداد پوری ہو جائے گی۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ مذکورہ بالا چودہ حرفوں میں تین نقطہ دار ہیں ان میں سے ق اور ی دو حرف دو دو نقطے والے ہیں مگر ایک کے اوپر ہیں دوسرے کے نیچے اس سے اشارہ ہے کہ علی و فاطمہ ہم رتبہ ہیں صرف مرد و عورت کا فرق ہے۔ دو نقطوں سے دو بچوں کی طرف اشارہ ہے وہ باپ کے شانہ پر ہیں اور ماں کے پہلو میں۔ ن پر ایک نقطہ ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کے صرف ایک ہی لڑکی ہے اسی سے نسل چلے گی یا یہ کہ نبی تمام مخلوقات میں یکتا ہے بلکہ تمام انبیا میں۔

ان تینوں حرفوں میں پانچ نقطے ہیں جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ چودہ میں سے پانچ کا اجتماع بیک وقت ہوگا

اگر کسی کو اس میں کلام ہو کہ نقطہ سے مراد ذات معصوم کی ہے تو جناب امیر علیہ السلام کا یہ قول یاد کرو اَنَا النُّقطَۃُ تَحتَ البَاء

الٓمٓ کی خاص تفسیر

الٓمٓ کی وہ تفسیر خاص جو قول رسول سے ثابت ہے یہ ہے کہ آلِ محمد مراد ہیں یعنی آلِ محمد اور یہ کتاب وہ ہیں جن کی تعریف ہے لا ریب فیہ اور انہی دونوں سے متقیوں کو ہدایت ہے اگر ایسا نہ ہو تو صرف قرآن ہدایت متقین کے لئے رہ جاتا ہے حالانکہ رسول اللہ نے حدیث ثقلین میں دو ہادی بیان فرمائے ہیں یعنی کتاب خدا اور اہلبیت۔

اصطلاحِ قرآن میں ظالم کون ہے

بقرہ فلما کتب علیہم القتال تولوا الا قلیلا منہم واللہ علیم بالظالمین (پس جب ان پر لڑائی کو واجب کیا گیا تو سوائے چند کے سب ہی تو بھاگ گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے) اس آیت میں میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کو ظالم کہا گیا ہے

کیا اللہ نور ہے

اللہ نور السمٰوات والارض الخ (اللہ آسمان و زمین کا نور ہے)

لفظ نور اصطلاح لغت میں اس کیفیت کا نام ہے جو سورج چاند اور آگ سے زمین اور دیواروں وغیرہ پر ہوتی ہے کیا وہ خدا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) اس کیفیت سے مراد اگر جسم ہے تو جسم چونکہ حادث ہے لہٰذا وہ کیفیت بھی حادث ہو گی اور اگر مراد عرض ہے تو جب حدوثِ جسم ثابت ہے تو وہ چیز بھی حادث ہو گی جس سے عرض قائم ہے عرض کے لئے حلول ہے اور حلول اللہ کے لئے محال۔

(۲) خواہ ہم نور کو جسم کہیں یا کسی جسم میں حال وہ منقسم قرار پاتا ہے اور ہر منقسم اپنے وجود میں اپنے اجزا کا محتاج ہے اور جو دوسرے کا محتاج ہے وہ بالذات ممکن ہے اور حادث بالغیر ہے۔ چونکہ نور حادث ہے لہٰذا خدا نور نہیں۔

(۳) نور محسوس ہے اور زوال پذیر ہے اور خدا کے لئے رویت اور زوال دونوں محال لہٰذا وہ خدا نہیں۔

(۴) نور محسوس ہوتا ہے طلوعِ آفتاب و ماہتاب سے اور اللہ کا نور کوئی مطلع نہ اس کی کوئی ابتدا۔

(۵) یہ نور اگر ازلی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا متحرک ہو گا یا ساکن اگر متحرک ہے تو ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کا نقل ہونا ضروری ہے کیونکہ حرکت کے لئے مکان کا ہونا لازم ہے اس صورت میں مکان کا وجود نور سے پہلے ہونا چاہئیے اور ازلی ذات کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس سے پہلے کوئی شے ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ نور خدا نہیں کیونکہ خدا ازلی ہے۔

اب اگر نور کو ساکن فرض کریں تو بھی وہ ازلی نہیں ہو سکتا کیونکہ ازلی نام ہے ممتنع الزوال کا اور سکون جائز الزوال ہے کیونکہ اس کو اپنی حالت پر قیام نہیں پس اس صورت میں بھی وہ خدا نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) نور یا جسم ہے یا وہ کیفیت جو جسم کے ساتھ قائم ہو اول محال ہے کیونکہ ہم جسم کو جسم اسی وقت سمجھتے ہیں جبکہ وہ پہلے تاریک رہا ہو۔ اب دوسری کیفیت قابلہ بالجسم وہ جسم کی محتاج ہے اور جو غیر کی طرف محتاج ہو وہ اللہ نہیں۔ ان دلائل سے ان لوگوں کا اعتقاد باطل ہوا جو اللہ کے نورِ اعظم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

اب قرآن سے بھی اس خیال کی تردید ہونی چاہیئے آیہ لیس کمثلہ شئ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شے اس کی مثل

نہیں پس آیہ سابق میں جو مثل نورہ کمشکوٰۃ فرمایا گیا ہے مزور اس کے کچھ اور معنی ہیں دوسرے مثل نورہ خود اس پر دال ہے کہ اللہ نور نہیں بلکہ نور اس کی طرف اضافت کیا گیا ہے اگر یہ کہا جائے کہ جب اللہ نور نہیں تو یہ کیوں کہا گیا اللہ نور السموات تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مثل اس قول کے ہے زید کرم و جود یعنی چونکہ زید میں انتہائی کرم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسا کہا گیا۔ اسی طرح چونکہ خدا میں خلقت نور کی صفت کمال کے درجہ پر ہے لہٰذا اس کی ذات کے لئے نور کا لفظ بولا گیا۔ قولہ تعالیٰ وجعل الظلمات والنور خود اس کو واضح کرتا ہے کہ ماہیت نور مجعولہ خدا ہے پس اس صورت میں یہ محال ہے کہ خدا نور ہو۔

آیۂ اللہ نور السموات کے متعلق علمائے اسلام نے حسب ذیل تاویلیں کی ہیں۔

(۱) نور بسبب ظہور و ہدایت ہے اور ہدایت اس معنی میں چونکہ شریک نور ہے لہٰذا ہدایت پر اطلاق نور صحیح ہوا جیسا کہ فرماتا ہے اللہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمات الی النور۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ نور السموات کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہادی ہے اہل سموات و ارض کا۔

(۲) نور سے مراد مدبر ہے یعنی اللہ اپنی حکمت بالغہ اور حجت زاہرہ سے آسمان و زمین کا انتظام کرتا ہے۔

(۳) مراد اس سے ناظم السموات والارض ہے۔

(۴) بمعنی منور السموات والارض ہے۔ یعنی آسمان کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء سے روشن کرنے والا ہے یا آفتاب و ماہتاب و نجوم سے روشن بناتا ہے۔

مدرکات نور

مدرکات نور دو ہیں قوت عقلی اور آنکھ۔ ظاہر ہے کہ قوت عقلی کا مرتبہ قوت نظری سے زیادہ ہے قوت نظری نہ زیادہ قریب سے دیکھ سکتی ہے نہ زیادہ دور سے۔ دوسرے قوت نظری کا تعلق محسوسات سے ہے اور قوت عقلی کا معقولات سے۔ تیسرے نظر کی خدا تک رسائی نہیں لیکن عقل کی ہے چونکہ قوت عقلی میں کجی کا اندیشہ ہے لہٰذا مرشد ہادی کی ضرورت ہے۔ پس کلام الٰہی نور ہے عین عقل کے لئے جو بمنزلہ نور شمس ہے باصرہ کے لئے۔ پس جس طرح باصرہ آفتاب سے قوت پاتی ہے۔ اسی طرح قوت عاقلہ قرآن سے نور پاتی ہے۔ نور قرآن مشابہ ہے نور شمس سے اور نور عقل مشابہ ہے نور عین سے اور اسی سے ظاہر ہوتے ہیں معنی قولہ تعالیٰ فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا اور قولہ تعالیٰ قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً اور جب ثابت ہو گیا کہ بیان رسول اقوی ہے نور شمس سے تو واجب ہوا کہ آنحضرت کا نفس قدسیہ نورانیت میں سورج سے افضل و اعظم ہو جیسے کہ شمس عالم اجسام میں اپنے نور سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور کسی اور سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح نفس رسول تمام

نفوس بشری کو فائدہ پہنچاتا ہے اور کسی اور سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ نے شمس کا وصف سراج سے بیان کیا ہے وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا اور آنحضرت کا وصف سراج منیر سے بیان فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ اور عصا

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ۔ اے موسیٰ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ کہا یہ میرا عصا ہے جس پر میں تکیہ کرتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میری کچھ اور ضرورتیں بھی اس سے متعلق ہیں) اس آیت پر بظاہر یہ اعتراض ہے کہ عصا جیسی کھلی چیز کو علام الغیب نے اس طرح کیوں پوچھا۔ جواب اس کا یہ ہے چونکہ یہ عصا سانپ بننے والا تھا اس لئے قدرت کو ان کی زبان سے یہ کہلوانا تھا کہ یہ عصا ہے سانپ بننے کے بعد یہ نہ خیال کریں کہ کہیں میرے ہاتھ میں سانپ ہی تو نہ تھا۔

جناب موسیٰ کی نورانیت اس حد تک تھی کہ عصا جو نباتات سے تھا جاندار بنکر دوڑنے لگتا تھا اور حضرت عیسیٰ اتنی نورانیت تھی کہ ٹھوکر مار کر مردہ کو جلا دیتے تھے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نورانیت کا یہ عالم تھا آپ کے ہاتھ پر آکر سنگریزے بولنے لگتے تھے۔

کمال انسان بلحاظ اصناف ماتحت

انسان میں کمال بلحاظ اصناف ماتحت ہے۔ خلاصہ موجودات چار چیزیں ہیں وجود۔ حیات۔ قدرت اور عقل۔ عقل ان سب میں خاص ہے۔ وجود تک پتھر شریک تھے حیات میں وہ نکل گئے اور نباتات داخل قدرت سے وہ نکل گئے حیوان داخل عقل کی قید کے بعد سب خارج وہ صرف انسان سے مخصوص ہے۔ پس عقل خاتم الکل ہے اور خاتم کے لئے ضروری ہے کہ وہ افضل ہو۔ رسولخدا خاتم النبیین ہیں وہ افضل انبیاء ہیں۔ علی علیہ السلام عام خیال کے مطابق چوتھے درجہ میں خاتم خلفا ہیں لہٰذا وہ اپنے پہلوں سے بہتر ہیں۔

معنی شرح صدر

شرح صدر سے یہ مراد ہے کہ قلب میں معرفت کی انتہائی ضو پیدا ہو جائے تاکہ جس کا شرح صدر ہوا ہے وہ حقیقتوں کو دیکھ لے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرح صدر مقدمہ ہے قلب میں انوار الٰہیہ کی ضیا حاصل کرنے کا یعنی تیار ہونا وحی سننے اور الہام الٰہیہ حاصل کرنے کے لئے۔ پس یہ مرتبہ حضرت موسیٰ کا تھا کہ انہوں نے اس مقدمہ کے حصول کی دعا کی اور حضرت محمد مصطفیٰ کا مرتبہ چونکہ اس سے بالاتر تھا لہٰذا ان کو شرح صدر کی دعا کی ضرورت نہ ہوئی اور خدا نے یہ مرتبہ خود ہی عطا

کے حصول کی دعا کرنی تھی چنانچہ ان مرتبہ سے بھی ایک اور بالاتر مرتبہ کے حصول کی دعا کرنی تھی چنانچہ ان
فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ آنحضرت کو اس مرتبہ سے بھی ایک اور بالاتر ہے کیونکہ وہی مقصود شرح صدر ہے۔ پس حضرت
کو حکم دیا گیا قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ علم کا درجہ شرح صدر سے بالاتر ہے کیونکہ وہی مقصود شرح صدر ہے۔ پس حضرت
موسیٰ مثل مقدمہ معرفت کے ہیں اور حضرت رسولخدا مثل مقصود معرفت کے۔ جناب موسیٰ نے خود دعا کر کے اپنے رب کو
شرح صدر کے لئے مخاطب کیا۔ اور حضرت رسولخدا کو بعد شرح صدر خود خدا نے مخاطب کیا۔ بہت فرق ہے اس بندہ میں
جو خدا سے کچھ مانگے اور اس میں جس کو بادشاہ خود دے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے شرح صدر چاہ کر اپنے سینہ کو قابل نور اور مرکز نور بنانا چاہا اور اپنے حبیب کی
شان میں خود فرمایا سراجا منیرا۔ پس فرق ہے اس سینہ میں جو کسب نور کے لئے تیار ہو رہا ہو اور اس سینہ میں جو اپنے نور
سے دوسروں کو ضوفشاں بنا رہا ہو۔

حضرت رسولخدا سے پوچھا گیا شرح صدر کیا ہے؟ فرمایا نور یُقْذَفُ فِي الْقَلْبِ وہ ایک نور ہے جو کسی قلب میں
ڈالا جاتا ہے۔ پوچھا اس کی نشانی کیا ہے کہ فرمایا دور رہنا دار غرور سے اور توجہ کرنا دار الخلود کی طرف اور موت کے آنے سے
پہلے اس کے لئے مستعد رہنا۔ کلام الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ شرح صدر سے مراد نور ہے چنانچہ فرماتا ہے افمن شرح صدرہ
للاسلام فھو علی نور من ربہ۔ خدا نے دس چیزوں کی صفت نور سے بیان کی ہے۔

(۱) اپنی ذات۔ اللہ نور السمٰوات والارض

(۲) رسول۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین ۵

(۳) وصی رسول۔ واتبعوا النور الذی انزل معہ

(۴) ایمان: یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم

(۵) عدل الٰہی۔ واشرقت الارض بنور ربھا۔

(۶) ضیائے قمر۔ وجعل القمر فیھن نورا

(۷) نہار۔ جعل الظلمات والنور

(۸) بینات۔ انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور

(۹) انبیا۔ نور علیٰ نور

(۱۰) معرفت۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔

پس معلوم ہوا حضرت موسیٰ شرح صدر سے یہ چاہتے تھے۔

(۱) معرفت انوار جلال و کبریائے الٰہی۔ (۲) تخلیق باخلاق رسل و اوصیائے رسل (۳) اتباع وحی و امتثال امر الٰہی
(۴) نور ایمان در ایقان الٰہی (۵) اطلاع اسرار عدل و حکم الٰہی (۶) نور شمس و قمر سے انوار جلال ایزدی کی طرف انتقال (۷) نہار دلیل

کے مطالعہ سے طرف مطالع انہار فضل و دلیل عدل الہی رجوع کرنا (۸)، مجامع آیات الہی پر اطلاع پانا (۹)، انقیاد حکم الہی میں انبیاء سے متقدمین سے مشابہ ہونا (۱۰) یہ کہ خدا سراج ایمان کو قلب میں تاباں رکھے۔

شرح صدر کے بعد انسان کا قلب مثل چراغ کے روشن ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چراغ جلانے میں آدمی سات چیزوں کا محتاج ہوتا ہے (۱) زند یعنی چقماق (۲) پتھر (۳) گندھک (۴) چراغ (۵) بتی (۶) تیل (۷) آگ۔ پس جب بندہ شرح صدر چاہے تو سات چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔

(۱) زند یعنی راہِ خدا میں جہاد۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

(۲) حجر یعنی تضرع۔ اُدعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ

(۳) آگ یعنی خواہشات بد سے نفس کو روکنا۔ ونھی النفس عن الھویٰ

(۴) کبریت یعنی انابت۔ وانیبوا الیٰ ربکم۔ توبوا الی اللّٰہ

(۵) چراغ یعنی صبر۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ

(۶) بتی۔ شکر۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔

(۷) تیل۔ یعنی رضا۔ واصبر لحکم ربک۔

خدا ہر حال میں مستحق حمد ہے

ہر بندہ دنیا میں دو حال سے خالی نہیں یا سلامتی و سعادت میں ہے یا فقر و آفت میں اگر اول حالت میں ہے تو ان نعمتوں اور برکتوں کا دینے والا چونکہ خدا ہے لہذا وہ مستحق حمد و شکر ہے اور اگر آفت و مصیبت میں ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ مصائب بندوں کی طرف سے آئے ہیں یا خدا کی طرف سے۔ اگر بندوں کی طرف سے ہے تو خدا نے انصاف کا وعدہ کیا ہے اور اگر خدا کی طرف سے بطور امتحان ہے تو اس نے اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے بہر حال دونوں صورتوں میں وہ مستحق حمد ہے۔

صراط مستقیم

صراطِ مستقیم سے مراد ہے وسطی راستہ اعتقاد و افعال میں۔ جس نے یہ کہا کہ ہر فعل بندہ ہی کی طرف سے ہے وہ قدر کی طرف گیا اور جس نے کہا ہر فعل خدا کی طرف سے ہے وہ جبر کی طرف گیا اور صراطِ مستقیم الامر بین الامرین ہے یعنی بین الجبر و التفویض۔ یہ تو اعتقاد میں رہا اب اعمال کے متعلق سنئے۔

جس نے قوتِ شہوانی کو ترقی دی وہ فجور میں مبتلا ہو گیا اور جس نے بالکل اسے مار دیا وہ جمود میں ہو گیا اور صراطِ مستقیم

سے جو وسطی درجہ ہے اس سے ہٹ گیا اور وہ عفت ہے اور جس نے قوت غضبی کو ترقی دی اس میں تہور پیدا ہو گیا اور جس نے اسے ترک کر دیا اس میں جبن پیدا ہو گیا اور صراط مستقیم وہ وسطی درجہ ہے جسے شجاعت کہتے ہیں۔ اسی پر اور فضائل کا قیاس کر لینا چاہیئے۔ صراطِ مستقیم وصف ہے دو صفتوں کے ساتھ ایجابی اور سلبی ایجابی یعنی صراط ان لوگوں کی جن کو اللہ نے نعمتیں دی ہیں انعمت علیھم اور وہ چار گروہ ہیں انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء و صالحین۔ سلبی یعنی ان لوگوں کا راستہ جو مغضوب اور ضالین ہیں

مالک یوم الدین

سیاست کی چار صورتیں ہیں سیاست مالک، سیاست ملوک، سیاست ملائکہ اور سیاست مالک الملک، مالک کی سیاست سے سیاست ملوک قوی ہے کیونکہ اگر تمام مالک جمع ہوں تو ایک بادشاہ کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن سیاست ملائکہ سیاست ملوک سے بھی زیادہ قوی ہے کیونکہ تمام بادشاہ جمع ہو کر ایک ملک کی سیاست کو دفع نہیں کر سکتے اور سیاست مالک الملک مافوق سیاست ملائکہ ہے چنانچہ فرماتا ہے یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا اور یہ بھی فرمایا ہے مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ پس روز قیامت ایسا ہی عظیم القدر سلطان لوگوں کے درمیان انصاف کرے گا چنانچہ فرماتا ہے وَ نَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡـًٔا

سورۂ حمد میں خدا نے اپنے پانچ نام ذکر فرمائے ہیں۔ اللہ۔ رب۔ رحمن۔ رحیم اور مالک۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے بندہ کو اشارۃً بتاتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے تجھے پیدا کیا پس میں اللہ ہوں پھر میں نے تجھے پالا پس میں رب ہوں پھر تو نے میری نافرمانی کی مگر میں نے تیرا عیب چھپایا پس میں رحمان ہوں پھر تو نے توبہ کی پس میں نے بخش دیا لہذا میں رحیم ہوں پھر میں نے تجھ کو جزا دی پس میں مالک یوم الدین ہوں۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین

امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کفٰی بی فخراً ان اکون لک عبداً و کفٰی لی شرفاً ان تکون لی رباً۔ انت کما احب فاجعلنی کما تحب (انت کما اردت فاجعلنی عبداً کما اردت) (میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور کافی ہے میرے لئے یہ شرف کہ تو میرا رب ہے۔ یا اللہ میں نے تجھے ویسا ہی معبود پایا جیسا کہ میں چاہتا تھا پس تو مجھے بھی ایسا ہی بندہ بنا جیسا تو چاہتا ہے۔

اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مقامات معرفت محصور ہیں دو میں معرفت ربوبیت اور معرفت عبودیت اور ان دونوں کے اجتماع سے وہ عہد حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے اوفوا بعھدی اوف بعھدکم معرفت ربوبیت کے کمال کا ذکر ہے قولہ تعالیٰ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین میں یہ کمال حاصل ہوتے

ہی پردہ عابد و معبود کے بیچ میں سے اٹھ جاتا ہے اور جس ذات کی تعریف وہ غائب سمجھ کر کر رہا تھا اب اس کو اپنے سامنے موجود پاکر کلام کا رُخ بدل دیتا ہے یعنی بجائے غائب کی ضمیریں استعمال کرنے کے حاضر کی ضمیریں استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین۔ نماز کی صحت کی پہلی شرط رجوع قلب ہے اور عارف کی رجوع اس حد کی ہونی چاہیئے کہ مالک یوم الدین تک پہنچتے پہنچتے وہ مقام حضور تک پہنچ جائے اور اپنے معبود کو مخاطب کر کے عرض حال کرنے کی قابل بن جائے۔ یہ مرتبہ خاصانِ خدا کے سوا دوسروں کو کہاں حاصل۔ یوں اظہار عبدیت کے لئے سب نماز پڑھتے ہیں لیکن کمال معرفت کے بعد اظہار عبودیت کی منزل پر بہت ہی کم لوگوں کا قدم ہے۔

معرفت ربوبیت کے بعد معرفت عبودیت کا مرتبہ ہے۔ یہ مقام بھی بہت زیادہ بلند ہے عام لوگ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی ابتدا یہ ہے کہ بندہ اپنے کو بندہ سمجھ کر صدق دل سے یہ مان لے کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کا مستحق ہے ہی نہیں۔ اس مقام پر پہنچکر وہ کہتا ہے ایاک نعبد۔ اس کے بعد اظہار عبدیت کی آخری منزل آتی ہے یعنی بندہ پر یہ اقرار کرنا لازم ہوتا ہے کہ بجز توفیق ایزدی اس میں اطاعت کرنے اور معصیت سے بچنے کی طاقت نہیں پس وہ اس بارہ میں اللہ سے مدد چاہتا ہے اور کہتا ہے ایاک نستعین۔ انہی دونوں مقاموں پر ثابت قدم رہنا صراط مستقیم ہے۔ جس کے لئے وہ اس طرح دعا کرتا ہے اھدنا الصراط المستقیم۔

نکتہ لطیف

اس کی کیا وجہ ہے کہ سورۂ حمد میں مقبولین کا ایک گروہ بتایا گیا ہے انعمت علیہم اور مردودین کے دو گروہ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ نعمت پانے والوں کا صرف ایک ہی گروہ ہو سکتا ہے یعنی اپنے علم سے معرفت الٰہی حاصل کرکے اس پر صحیح معنی میں عمل کرنے والے۔ اب رہے مردودین ان کی دو صورتیں ہیں اول وہ جن کا عمل غلط ہے یہ لوگ فاسق ہیں اور مغضوب علیہم ہیں دوسرا وہ گروہ جس کا علم صحیح نہیں یہ گمراہ اور ضالین ہیں۔

معرفت کے متعلق چند اسرار عقلی

عالم دنیا عالم کدورت ہے اور عالم آخرت عالم صفا۔ آخرت کی نسبت دنیا سے وہی ہے جو اصل کی نسبت فرع سے ہوتی ہے یا جسم کی سایہ سے۔ پس جو کچھ اس دنیا میں ہے ضرور ہے کہ وہ آخرت میں بھی ہو جو اس کی اصل ہے ورنہ مانند سراب باطل اور خیال عاطل کے ہوگی اور جو کچھ آخرت میں ہے ضرور ہے کہ اس کی مثال دنیا میں ہو ورنہ مثل شجر بلا ثمر اور مدلول بے دلیل ہوگی۔

عالم روحانیات عالم انوار و سرور و لذت ہیں اور روحانیات مختلف ہیں کمال و نقصان میں اور بسبب ان میں

تفاوت مراتب ہے تو ایک ذات سب سے اشرف و اعلیٰ ہونی چاہیئے اور اس کے ماسوا تمام افراد اس کے تحت میں ہونے چاہییں۔ پس مطاع اول عالم روحانیت میں ہے اور مطاع ثانی عالم جسمانیات میں۔ ایک ان میں سے مطاع عالم اعلیٰ ہے دوسرا مطاع عالم اسفل۔ اور ہم یہ بیان کر چکے کہ عالم جسمانیات عالم روحانیات کا ظل ہے پس ضرور ہے کہ ان دونوں عالموں کے مطاعوں کے درمیان ملاقات و مقارنت و مجالست ہو۔ ان میں ایک رسول ملکی ہے اور دوسرا رسول بشری۔ لیکن بلحاظ کمالِ ذات رسول بشری کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔

رسولِ بشری کا کمال دعوتِ الی اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ دعوت تمام ہوتی ہے سات امور سے جن کا ذکر خدا نے آخر سورۂ بقرہ میں کیا ہے والمومنون کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ ۵ لا نفرق بین احد من رسلہ قالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر (مومن وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اس کے ملائکہ پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ہم رسولوں کے درمیان کوئی تفرقہ نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے رب ہم تیری مغفرت کے خواستگار ہیں اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے) اس آیت میں لا نفرق بین احد من رسلہ تک چار امر مبدء سے متعلق ہیں اور وہ معرفتِ ربوبیت ہے پھر ان چیزوں کا ذکر ہے جو معرفت عبودیت سے متعلق ہیں اور وہ دو امروں پر مبنی ہے ایک مبدء دوسرا کمال۔ مبدء قولہ تعالیٰ سمعنا واطعنا ہے کیونکہ یہ امر ضروری ہے اُس شخص کے لئے جو ذہاب الی اللہ کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن کمال پس وہ توکل ہے اللہ پر اور اس سے رحمت و مغفرت کا طلب کرنا ہے۔ جس طرح معرفت ربوبیت اصول اربعہ کی معرفت سے تمام ہوتی ہے۔ اسی طرح عبودیت ان دو اصولوں کی معرفت سے ہوتی ہے اس کے بعد بس خدا کی طرف بازگشت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے الیک المصیر سے

ان مراتب کے قیام سے تین باتیں ظاہر ہوئیں مبدء، وسط، معاد۔ مبدء کی معرفت مکمل ہوتی ہے معرفت اصول اربعہ سے اور وہ معرفت اللہ، ملائکہ، کتب و رسل ہے اور وسط مکمل ہوتا ہے دو امروں کی معرفت سے سمعنا واطعنا کی جو عالم ابساد کا حصہ ہے اور غفرانک ربنا وہ نصیب عالم ارواح ہے اب رہی انتہا وہ ایک امر کی معرفت سے تمام ہوتی ہے اور وہ الیک المصیر ہے۔ ابتدا ہوئی گویا چار سے۔ بیچ میں دو شئے اور آخر میں ایک ہو گیا۔ پس جب یہ سات مراتب معرفت ثابت ہوئے تو ان سے سات مرتبے دعا و تضرع کے متفرع ہوئے۔

(۱) ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ضد نسیان ذکر ہے کقولہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ کثیراً۔ واذکر ربک اذ نسیت اور یہ ذکر حاصل ہوتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔

(۲) ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا اور یہ موجب حمد ہے جو الحمد للہ رب العالمین سے حاصل ہے۔

(۳) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ یہ اشارہ ہے کمالِ رحمت کی طرف پس الرحمٰن والرحیم اس سے متعلق ہے۔

(۴) واعف عنا۔ مالک یوم الدین سے متعلق ہے۔

(۵) واغفر لنا۔ یہ ایاک نعبد وایاک نستعین سے متعلق ہے کیونکہ عبادات کے بعد مغفرت کی امید ہے۔

(۶) وارحمنا۔ اھدنا الصراط المستقیم سے متعلق ہے کیونکہ تجھ سے ہدایت طلب کی ہے۔

(۷) انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین یہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے متعلق ہے

غرضکہ ایک سورۂ فاتحہ پڑھنے سے مذکورہ بالا تمام مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ قرآن کی کیسی مکمل تعلیم ہے کہ ایک چھوٹے سے سورہ کے ذریعہ اصول و فروع سب کی تعلیم دیدی۔

ذکر مداخل شیطان

وہ مداخل جن سے شیطان داخل ہوتا ہے تین ہیں۔ شہوت، غضب، ہوی۔ شہوت بہیمیہ ہے۔ غضب سبعیہ ہے اور ہوی شیطانیہ۔ شہوت آفت ہے لیکن غضب اس سے زیادہ ہے۔ غضب آفت ہے لیکن ہوی اس سے زیادہ ہے۔ پس قولہ تعالیٰ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ میں فحشا سے مراد آثار شہوت اور منکر سے مراد آثار غضب اور بغی سے مراد آثار ہوی ہیں۔ شہوت سے انسان ظالم لنفسہ ہوتا ہے۔ غضب سے ظالم لغیرہ اور ہوی سے اس کا ظلم متعدی ہوتا ہے حضرت جلال الٰہی کی طرف اسی واسطے حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے الظلم ثلاثۃ فظلم لا یغفر وظلم لا یترک وظلم عسی اللہ ان یترک۔ پس جو ظلم نہ بخشا جائے گا وہ شرک باللہ ہے اور جو ظلم ترک نہ کیا جائے گا وہ ظلم ہے بعض بندوں کا بعض پر اور جس ظلم کے بخشے جانے کی امید ہے وہ انسان کا ظلم ہے اپنے نفس پر پس منشا اس ظلم کا جو نہ بخشا جائے گا ہوی ہے اور منشا اس ظلم کا جو نہ چھوڑا جائے گا غضب ہے اور منشا اس ظلم کا جو شاید چھوڑ دیا جائے شہوت ہے۔ پھر ان تینوں کے حسب ذیل نتائج ہیں۔

(۱) حرص و بخل نتیجہ شہوت (۲) عجب و کبر نتیجہ غضب (۳) کفر و بدعت نتیجہ ہوی

جب یہ چھ ذمائم انسان میں جمع ہوتے ہیں تو ساتویں چیز حسد اور پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت اخلاق ذمیمہ میں سے ہے جیسا کہ شیطان انتہائی اشخاص مذمومہ میں سے ہے اسی لئے اللہ نے ختم کیا ہے شرور انسانیہ کو حسد پر اور فرمایا ہے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور ختم کیا ہے تمام خبائث شیطانی کو وسوسہ پر چنانچہ فرماتا ہے۔ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ پس بنی آدم میں حسد سے اور شیاطین میں وسواس سے زیادہ بری چیز نہیں بلکہ کہا گیا ہے الحاسد اشر من ابلیس۔

مروی ہے کہ شیطان ایک بار فرعون کے دروازہ پر آیا اور دق الباب کیا۔ فرعون نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا اگر تو خدا ہوتا تو مجھ سے تجاہل نہ ہوتا۔ پھر اندر داخل ہوا۔ فرعون نے کہا کیا روئے زمین پر تجھ اور مجھ سے بھی زیادہ شریر کوئی اور ہے

کہا ہاں ہے۔ حاسد۔

پس اصولِ اخلاق قبیحہ یہی تین ہیں اور ان کی اولاد ونتائج سات ہیں پس خدا نے سورۃ فاتحہ نازل کی جس میں سات آیتیں ہیں جو محفوظ رکھنے والی ہیں ان سات درندوں سے۔

عقول عوام اسرار الٰہیہ کی رازدار نہیں بن سکتیں

بعض علما نے کہا ہے عالم بمنزلہ بحر ہے جس سے وادی جاری ہوئی اور پھر وادی سے نہر جاری ہوئی۔ پھر نہر سے نالہ اور نالہ سے نالی بہی۔ پس اگر نالہ میں وادی آپڑتی تو اسے ڈبو کر خراب کردیتی اور سمندر وادی میں آپڑتا تو اُسے ڈبو کر رکھ دیتا۔ یہی مراد ہے خدا کے اس قول سے انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا پس علم کے بحور خدا کے لئے ہیں اُس نے ان میں سے اپنے رسولوں کو وادیاں عطا کیں پھر رسولوں نے اپنی وادیوں میں سے علماء کی طرف نہریں بہائیں پھر علماء نے اپنے علوم سے عام لوگوں کو نالے عطا کئے اور بقدر ان کی طاقت کے دیئے پھر عام لوگوں نے نالیاں جاری کیں۔ ادنیٰ لوگوں کے لئے بقدر ان کی طاقت کے۔ اسی لئے حدیث ہے للعلماءِ سر وللخلفاء سر وللانبیاءِ سر وللملائکۃِ سر وللّٰہ من بعد ذٰلک کلہ سر یعنی علماء کے لئے اسرار کچھ اور ہیں خلفا کے لئے کچھ اور ہیں انبیاء کے لئے کچھ اور ہیں ملائکہ کے لئے کچھ اور ہیں اور اللہ تمام اسرار کا مالک ہے۔ پس اگر جہال سر علماء پر مطلع ہو جائیں تو ان کی تباہی کا باعث ہو جائے اور اگر علماء سر خلفاء سے آگاہ ہو جائیں تو ان کی ہلاکت کا باعث ہو اور اگر خلفا سر انبیاء سے واقف ہو جائیں تو ان کی مخالفت کرنے لگیں اور اگر انبیاء مطلع ہو جائیں سر ملائکہ پر تو گھبرا جائیں اور اگر ملائکہ سر الٰہی سے آگاہ ہوں تو حیران و سرگرداں بلکہ ہلاک ہو جائیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ عقول ضعیفہ اسرار قویہ کا تحمل نہیں کر سکتیں جیسے کہ چشم شپرہ نور آفتاب کا تحمل نہیں کر سکتی۔

قرآن کے متعلق علی علیہ السلام کی رائے

علیکم بکتاب اللّٰہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبارٍ قصمہ اللّٰہ تعالیٰ ومن اتبع الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللّٰہ وھو حبل اللّٰہ المتین والذکر الحکیم والصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الھواء ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق علی کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ من قال بہ صدق ومن حکم بہ عدل ومن خاصم بہ فلج ومن دعا الیہ ھدیٰ الیٰ صراطٍ المستقیم (کتاب اللہ کو پڑھا کرو اس میں تم سے پہلوں کی بھی خبریں ہیں اور تم سے بعد والوں کی بھی۔ تمہارے درمیان اس کا ہر حکم صحیح فیصلہ ہے اس میں ہزل کا نام نہیں اگر کسی نے کسی جبار کے ظلم سے اس کو چھوڑ دیا تو پھر اس سے مل جائے گا اور جس نے اس کے غیر کی پیروی کی خدا نے اسے گمراہی میں چھوڑ دیا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ حکمت والا ذکر ہے وہ صراط مستقیم ہے۔ اس سے بری خواہشیں نہیں پیدا

ہوتیں اور اس کے پڑھنے سے علما سیر نہیں ہوتے۔ اور وہ زیادہ پڑھنے سے پرانی ہونے والی چیز نہیں نہ اس کے عجائبات ختم ہونے والے ہیں جس نے اس کے متعلق کہا سچ کہا اور جس نے اس کے مطابق حکم دیا عدل کیا اور جس نے اس کے ذریعہ سے مخاصمہ کیا غالب آیا اور جس نے اس کے ذریعہ سے دعا کی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پائی۔

حروف مقطعات کیا فائدہ ہے

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حروف مقطعات خدا نے کیوں ذکر کئے جب کہ ان سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اگر آج لوگ ان سے فیضیاب نہیں ہو رہے تو امکان ہے کہ آئندہ لوگ ایسے ہوں جو حروف مقطعات سے اخذ مطالب کر سکیں۔ چنانچہ اس کی ابتدا انگریزی میں شارٹ ہینڈ سے ہوگئی ہے جس طرح وہ اشارے جاننے والوں کو بہت سی باتیں سمجھاتے ہیں اسی طرح راسخون فی العلم کو یہ بھی سمجھاتے ہوں گے اور آئندہ اپنے جاننے والوں کو سمجھائیں گے۔

سات نبیوں کو سات چیزوں کی تعلیم

(۱) آدمؑ کو کل اسمار کا علم دیا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا۔ یہی علم سبب سجدہ ہوا۔

(۲) خضرؑ کو فراست دی۔ وعلمناہ من لدنا علما۔ اسی سے حضرت موسیٰ ان کے شاگرد ہوئے۔

(۳) یوسفؑ کو علم تعبیر خواب دیا۔ وعلمتنی من تاویل الاحادیث۔ اسی سے سلطنت پائی۔

(۴) داؤدؑ کو زرہ سازی کا علم دیا۔ وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم۔ اسی سے ان کی ہیبت قائم ہوئی۔

(۵) سلیمانؑ کو علم منطق الطیر دیا۔ علمنا منطق الطیر۔ یہی تخت بلقیس پانے کا سبب ہوا۔

(۶) عیسیٰؑ کو علم توریت و انجیل دیا ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل۔ اسی سے وہ الزام دفع ہوا جو جناب مریم پر لگایا گیا تھا۔

(۷) حضرت رسولخداؐ کو کتاب و حکمت کے علاوہ ان تمام چیزوں کی بھی تعلیم دی جو حضرت نہ جانتے تھے۔ وعلمک مالم تکن تعلم۔

فضیلت علم میں ایک نکتہ

ایک شخص نے بادشاہ کی نوکری کرنی چاہی اس نے کہا تو علم حاصل کر تاکہ اس کام کے قابل ہو جائے وہ شخص تحصیل علم میں مشغول ہوا۔ جب خوب فاضل ہو گیا تو بادشاہ نے کہا اب ترک کر دے کیونکہ تو خدمت کے قابل ہو گیا۔ اس نے کہا نہیں میں تیری خدمت

کے قابل اس وقت تھا جبکہ تو نے مجھے لائق خدمت نہ سمجھا تھا اور اب کہ تو مجھے اپنی خدمت کے قابل سمجھتا ہے میں اپنے کو الشکی خدمت کے قابل جانتا ہوں۔ پہلے میں جہالت سے تیرے دروازہ کو دروازہ سمجھتا تھا اور اب میں نے جانا کہ اصلی دروازہ خدا کا ہے۔

شیطان جنی اور انسی

آیۂ مِن شَرِّ الوسواسِ الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس مِنَ الجنۃ والناس سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان وہ ہیں اول قوم جن سے ہے اور ثانی انسان ہے۔ شیطان کے متعلق کہا گیا ہے کانَ مِن الکافرین یعنی کافروں میں سے ایک کافر وہ بھی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس سبب سے وہ کافر ہوا اس سبب سے کچھ اور بھی کافر ہوں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا امر تھا جس کی وجہ سے وہ کافر ہوا مسلمانوں نے اصول دین تین بتاسے ہیں توحید۔ نبوت۔ قیامت۔ شیطان ان تینوں اصول کا قائل تھا۔ خدا کو تو مانتا ہی تھا اس کے عباد مخلصین کا بھی قائل تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس کے بہکائے میں نہ آئینگے قیامت کا اگر قائل نہ ہوتا تو الیٰ یوم یبعثون کہہ کر مہلت کیوں مانگتا۔ پس جب یہ صورت تھی تو وہ کافر ہوا کیوں؟ اس کے کفر کا سبب یہ تھا کہ وہ عدل اور امامت دو اصول کا قائل نہ تھا۔ اگر قائل عدل ہوتا تو یہ جھگڑا ہی نہ کرتا اور اگر قائل امامت و خلافت ہوتا تو تحقیر آدم نہ کرتا۔ پس معلوم ہوا مسئلہ خلافت پر نزاع کرنے والا کافر ہے۔

شہادت امام مظلوم پر زمین و آسمان روئے

آیۂ فَمَا بکت علیھم السّماء والارض (نہیں روئے ان پر زمین و آسمان) سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زمین و آسمان میں رونے کی صلاحیت ہے لیکن فرعون اور اس کے گروہ کے لوگ چونکہ کافر تھے اس لئے زمین و آسمان ان پر نہ روئے مگر دوستداران خدا پر تو رونے چاہیئں ورنہ یہ کیسے ثابت ہوگا کہ ان میں رونے کی صلاحیت ہے۔ پس واقعہ کربلا میں اس کا اظہار ہوا۔ سورج کو گہن لگنا۔ سیاہ آندھیوں کا آنا خون کی بارش ہونا یہی ان کا رونا تھا۔ کتب سابق سے بھی اس کا امکان ثابت ہوتا ہے۔

انجیل متی باب ۲۷۔ انجیل لوقا باب ۲۳۔ مرقس باب ۱۵ میں مرقوم ہے کہ چھ گھنٹہ دن گزرنے کے بعد تمام دنیا کو تاریکی نے گھیر لیا اور وہ ۹ گھنٹے دن تک باقی رہی اور آفتاب تاریک ہو گیا۔ لوقا باب ۱۵ میں ہے حرم کا پردہ اوپر سے نیچے تک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور زمین کو زلزلہ آیا اور پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے مقدس لوگوں کے اجسام قبروں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

از روئے حدیث معتبر یہ ثابت ہے کہ جو واقعات امم سابقہ میں ہو چکے ہیں ان کا اس امت میں بھی حذو النعل

بالفعل ہونا ضروری ہے پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا واقعہ کی تو تکذیب نہ کی جائے اور اگر یہی صورت واقعہ کربلا کے متعلق بیان کی جائے تو اس پر ناک بھوں چڑھائی جائے۔

خلافت ہمیشہ ذریّت انبیا میں رہی

آیہ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور ان کے آبا میں سے ان کی اولاد میں سے ان کے بھائیوں میں سے ہم نے نبوت و خلافت کے لئے ان کو چن لیا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے سے واضح ہے کہ منصب نبوت و امامت و خلافت ہمیشہ ذریت انبیاء سے مختص رہا ہے یہ نہیں فرمایا گیا وَمِنْ حَوَارِیِّهِمْ وَمِنْ اَصْحَابِهِمْ وَمِنْ اُمَّتِهِمْ آیہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِیْ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کلام خدا میں غیر ضروری لفظ کو دخل نہیں پس مِنْ اَهْلِیْ اور هٰرُوْنَ کہنے کے بعد اخی کہنے کی کیا ضرورت تھی یہ لفظ اسی لئے لایا گیا کہ وزارت محدود تھی اہل قرابت میں۔ پس دکھا دیا گیا کہ ہارون میں علاوہ اور اہلیتوں کے ایک اہلیت یہ بھی تھی۔

نماز میں ہاتھ کھولنا

اسلام کے تمام احکام فطری ہیں اور یہی اس کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا فطری ہے یا کھولنا۔ بچہ شکم مادر سے کھلے ہاتھ ہی آتا ہے۔ یہی اس کی فطرت ہے اور مرنے کے بعد کھلے ہاتھ ہی خدا کی طرف جاتا ہے یہی اس کی فطرت ہے۔ کبھی کسی مسلمان نے اس کی کوشش نہیں کی کہ اپنے مردے کو ہاتھ باندھ کر قبر میں پہنچائے۔ لوگ کہتے ہیں ہاتھ باندھنا اظہار تعظیم کی غرض سے ہے اور اس لئے کہ سرکار الہیٰ میں اپنے کو بطور مجرم پیش کیا جائے اور خدا اس سے خوش ہو حالانکہ خدا اس سے خوش نہیں وہ خود فرماتا ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ کیا ہم مسلمانوں کو مجرم جیسا بنا دیں گے۔ پس جب خدا کسی مسلمان کو مجرمانہ حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہتا تو مسلمان اپنے میں اس شان کے پیدا کرنے والے کون۔

نماز میں فطری قیام و قعود

انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو پہلے ہاتھوں پر زور دیتا ہے۔ پھر گھٹنے اٹھاتا ہے اور جب بیٹھتا ہے تو اسی طرح یعنی پہلے ہاتھ زمین پر لے جاتا ہے پھر گھٹنے۔ پس اس کے خلاف جو لوگ نماز میں قیام و قعود کرتے ہیں وہ یقیناً فطری قاعدہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اگر انسان بلندی پر سے گرتا ہے تو فطرتاً پہلے ہاتھ زمین پر پہنچاتی ہے۔ تمام حیوان ماکول اللحم اسی طرح سے اٹھتے بیٹھتے ہیں کہ پہلے بیٹھنے میں اگلے پاؤں ٹیکتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو اگلے پیروں پر زور دے کر اٹھتے ہیں۔

الصّلوٰۃ خیر من النوم

الصّلوٰۃ خیر من النوم کا جملہ حضرت عمرؓ نے داخلِ اذان کیا ہے۔ لیکن اس لئے حق تبلیغ ادا نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ جاگ رہے ہیں ان کے لئے بھی بیکار اور جو بے خبر پڑے سو رہے ہیں ان کے لئے بھی بیکار۔ جو کام کاج میں لگے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی بیکار۔ ایک قرآن خواں کہہ سکتا ہے نماز سونے سے بہتر ہے مگر قرآن خوانی سے بہتر نہیں۔ ایک تسبیح خواں کہہ سکتا ہے تسبیح پڑھنے سے بہتر نہیں۔ ایک درزی کہہ سکتا ہے کپڑے سینے سے بہتر نہیں۔ برخلاف اس کے جب ایک موذن کہتا ہے حیّ علیٰ خیرِ العمل بہترین عمل کے لئے آؤ تو سب خاموش ہو جاتے ہیں اور کسی کو لب کشائی کا موقع نہیں رہتا۔ دوسرے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دنیا میں مانع نماز بہت سے کام ہیں تو صرف نوم ہی پر یہ سارا نزلہ کیوں گرا۔ ظہر و عصر و مغرب و عشا کی نماز کے لئے بھی کوئی ایسا ہی جملہ تراشنا چاہیئے۔ مثلاً ظہر کے لئے کہنا چاہیئے الصّلوٰۃ خیر من القیلولہ اور عصر کے لئے کہنا چاہیئے الصّلوٰۃ خیر من التفریح۔ مغرب کے لئے کہنا چاہیئے الصّلوٰۃ خیر من الطّعام اور عشا کے لئے کہنا چاہیئے الصّلوٰۃ خیر من الاستراحہ۔

فطری وضو

فطرت ہر شے میں آسانی چاہتی ہے اور بقدرِ ضرورت صرف کرتی ہے۔ وضو میں فطرت کو آسانی یہ ہے کہ بائیں طرف ظرفِ وضو رکھ کر بائیں ہاتھ سے ظرف کو دبائے اور داہنے ہاتھ میں پانی لے کر اعضا پر ڈالے لیکن اگر بجائے ایک ہاتھ کے دونوں ہاتھ ٹونٹی کے نیچے لگا دیئے جائیں تو فطرت پر ضرور بار ہوگا۔ چہرہ کی وسعت اتنی زیادہ نہیں کہ اس کو دونوں ہاتھوں سے دھونے کی ضرورت محسوس ہو جب ایک ہاتھ بخوبی اس کام کو کر سکتا ہے تو دوسرا ہاتھ شامل کرنا ایک بیکار کام کرنا ہے اور ایک حکیم مطلق کسی عبث کام کا حکم کیسے دے سکتا ہے اور وہ بھی عبادت میں۔ تعجب ہے جس منہ پر بظاہر کوئی نجاست نہیں اس کو تو دو دو ہاتھوں سے دھویا جائے اور جب پاخانہ کی طہارت ہو تو صرف ایک ہاتھ سے۔ پانی کی فطرت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کو آئے لیکن جو کہنیوں تک ہاتھ دھوتے میں الٹی گنگا بہائیں گے وہ ضرور فطرت کے خلاف کریں گے۔ ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں بہ نسبت پشت دست کے فطرتاً زیادہ احساس ہے پس جو مسح الٹے ہاتھ سے کریں گے۔ ان کا یہ عمل یقیناً خلاف فطرت ہوگا۔

معراج کے متعلق چند نکات

ہر نبی کو قدرت کی طرف سے ایسا معجزہ عنایت ہوا جس میں اس کی امت کو کمال حاصل تھا اور یہ اس وجہ سے

کہ ان کا سر پر غرور نیچا ہو اور وہ اپنی طاقت سے مافوق بنی کی طاقت کو سمجھیں۔ اور ان کے دلوں میں اس کا اقتدار قائم ہو۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادوگروں کو اپنے سحر پر بڑا ناز تھا اور وہ جادو کے زور سے سانپ بنا کر ہوا میں اڑاتے تھے چنانچہ ان کے اس ادعائے کمال کو توڑنے کے لئے حضرت موسیٰ کو یہ معجزہ دیا گیا کہ ان کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اطبائے علاج امراض میں بڑا کمال حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اسی کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ اکمہ وابرص کو اچھا کر دیتے تھے اور مُردوں کو جلا دیتے تھے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کا زمانہ نبوت قیامت تک ہے اور سر اسود واحمر کی طرف آپ نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس قیامت تک ابنائے روزگار جن جن امور میں اپنا کمال عقلی ظاہر کریں۔ ان سے مافوق کمال آپ کی ذات میں پایا جانا چاہیئے۔ ورنہ آپ کا مرتبہ اپنی امت سے پست ہوگا اور ایسے لوگ آپ کی نبوت پر کبھی ایمان نہ لائیں گے جو بلحاظ کمال اپنے کو آپ سے بہتر جانتے ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے کن کن چیزوں میں اپنا کمال دکھایا ہے۔

(۱) رفتار میں۔ اب نئے قسم کے ہوائی جہاز جو برقی قوت سے چلتے ہیں ایک گھنٹہ میں ۷۵۰ میل جاتے ہیں۔ ممکن ہے آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو جائے لیکن فی الحال تو یہی ہے۔

(۲) گفتار۔ وائرلیس کے ذریعہ سے انسان کی آواز اب ایک سکنڈ میں ایک لاکھ بیاسی ہزار میل جاتی ہے۔ ممکن ہے آئندہ اس سے زیادہ ترقی ہو جائے۔

(۳) نظر۔ اب ایسی زبردست دوربینیں ایجاد ہو گئی ہیں جن کی وساطت سے انسان نظام شمسی کے ایک ستارہ کو دیکھ لیتا ہے۔ فرانس کا ایک موجد ایک آلہ ایجاد کرنے کی دھن میں ہے جو آواز کی طرح نظر کو بھی ہوا کی موجوں پر لے جائیگا اور ہم سینکڑوں میل دور کے آدمی کو اسی طرح دیکھ سکیں گے جیسے پاس بیٹھے کو دیکھتے ہیں۔

(۴) تصویر کشی۔ اب ٹیلی ویژن آلہ کے ذریعہ سے ہم اس قابل ہیں کہ جو مقرر امریکہ میں تقریر کرتا ہے ہم اس کی تقریر ریڈیو کے ذریعہ سے اور تصویر ٹیلیویژن کے ذریعہ سے دیکھ لیتے ہیں۔

اب دیکھئے ہمارے رسول کی ایک معراج نے ان سب کمالات کو کمالِ رسول کے سامنے کس درجہ پست بنا دیا ہے آنحضرت کی سواری کا نام براق تھا شاید یہ نام اسی لئے دیا گیا ہو کہ ایک زمانہ میں برقی قوت کے بہت زیادہ کرشمے ظاہر ہوں گے۔ اس سواری کی سرعت رفتار کا عالم تھا ؎

ابھی بستر خواب تک گرم تھا ۔۔۔ کہ معراج پا کر پھر آئے محمدؐ

دنیا والے رفتار میں چاہے کتنی ہی سرعت پیدا کریں لیکن وہ رہے گی اسی کرہ تک محدود اور یہ کرہ اس نظام شمسی میں ایک مٹر کے دانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارے رسول کی معراج قاب قوسین او ادنیٰ تک تھی جس سے

بالاتر کوئی مقام نہیں۔ پس یہ اعجاز نور بادپیاؤں کی ترقی رفتار کے متعلق۔ اب رہی گفتار کی ترقی اس کی صورت یہ ہے کہ جب آنحضرت معراج میں تشریف لے گئے تو علی مرتضیٰ یہیں زمین پر تھے لیکن آپ نے وہاں پس پردۂ غیب جو آواز سنی وہ صاف علی کی آواز تھی۔ دنیا والے جو براڈ کاسٹ کرتے ہیں، اس کا تعلق صرف کرۂ ارض سے ہے اور یہ خدائی براڈ کاسٹ زمین سے عرش تک پہنچا۔ علی کی آواز کو قاب قوسین پر پہنچا کر اپنے رسول پر یہ واضح کر دیا گیا کہ لے رسول تمہارے زمانہ کے لوگ چاہے کتنی ہی ترقی کریں گے مگر یہ اس سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور تمہارا یہ اعجاز ان سب پر غالب رہے گا۔ اب رہی تیسری چیز نظر اس کے متعلق یہ ہے کہ معراج میں خدا نے اپنے رسول سے کہا یا حبیبی انظر تحتک لے میرے حبیب ذرا نیچے دیکھو۔ آپ نے جو نظر کی تو علی مرتضیٰ اپنے بستر پر نظر آئے وہ آپ کو دیکھ رہے تھے اور آپ ان کو۔ اب رہی چوتھی بات یعنی ٹیلیویژن تو یہ کمال ہمارے رسول کے اعجاز کے مطابق اس طرح لوٹا کہ آپ نے معراج میں دیکھا کہ پردہ کے اندر سے علی کا ہاتھ نکلا۔ پہلے ان باتوں کو سنکر عام مسلمان بہت مضحکہ اڑاتے تھے لیکن اب ماڈرن ڈسکوریز نے ان امور میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ اب اگر مسلمان ان واقعات پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کے لئے یہ ثابت کرنا دشوار ہو جائے گا کہ ان کے رسول کا کمال اس زمانہ کے لوگوں کے کمال سے بالاتر ہے۔

عصمتِ انبیاء

ہمارے مسلمان بھائی عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں وہ انبیاء کو جائز الخطا اور صاحب سہو و نسیان ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ نبی سے امورِ تبلیغی میں خطا نہیں ہوتی اور نہ سہو و نسیان عارض ہوتا ہے لیکن نجی امور میں یہ سب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ پہلے اس مسئلہ کو عقلی اور پھر نقلی روشنی میں دیکھا جائے۔

اگر نبی جائز الخطا ہے تو اس میں اور عام لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ بشریت کے مدارج اور نفسانی کمالات میں جو نقصان عام لوگوں میں ہے وہ اس میں بھی ہے۔ اگر وہ اپنے نجی معاملات میں خطا ئیں کر سکتا ہے۔ اگر اس کو سہو و نسیان عارض ہو سکتا ہے۔ اگر شیطان کا تسلط اس پر پایا جاتا ہے تو عند العقل وہ ساقط الاعتبار ہے۔ اس کی کسی ایک بات پر بھی بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ جو ایک بات جھوٹ بول سکتا ہے وہ دس بھی بول سکتا ہے جو ایک خطا کر سکتا ہے وہ دس بھی کر سکتا ہے جس کی فطرت نجی امور میں دھوکہ کھا سکتی ہے وہ شرعی امور میں کیوں نہیں کھا سکتی۔ ہر موقع پر جب اس کا دماغ اور افتاد مزاج ایک ہی ہے تو کیا وجہ ایک جگہ ٹھوکر کھائے اور دوسری جگہ نہ کھائے۔ ایک شراب خوار جس طرح اپنے ہوش و حواس گھر میں کھو دیتا ہے باہر بھی کھو دیتا ہے۔ ایک چور پر کیا اس خیال سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی چوری کر لیتا ہے یا یہ کہ دوسروں کا مال نہیں چراتا بلکہ اپنے عزیزوں کا چراتا ہے۔ یا زیادہ نہیں کم چراتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنا۔ خطا کرنا۔ سہو و نسیان عارض ہونا اخلاقی عیوب ہیں، نفسانی نقصان ہیں، عقلی اور ذہنی کمزوریاں ہیں شیطانی

دیا دس ہیں۔ تو ایک بنی کو منزوران سے پاک ہونا چاہیئے ورنہ وہ بنی بننے کے قابل نہیں۔ اگر خدا کسی ایک بندہ کو بھی کروڑوں آدمیوں کے گروہ ہیں ایسا نہیں بنا سکتا جو نفسانی کمالات کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو تو یہ اس کی قدرت کا انتہائی نقصان ہے۔ ایسی محدود قدرت رکھنے والا خدا کہلانے کے قابل نہیں کیونکہ وہ سب بندے ناقص ہی پیدا کر سکتا ہے۔ کامل پیدا ہی نہیں کر سکتا۔

اگر بنی جائز الخطاہے جھوٹ بولتا ہے تو وہ دوسروں کو کیا تعلیم دے سکتا ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ ایک ایسے شخص کے متعلق جو خطایئں بھی کرتا ہو جھوٹ بولتا ہو یہ فیصلہ کرنا نہایت دشوار ہے کہ یہ بات اس کی جھوٹی ہے اور یہ سچی۔ یہاں اس سے خطا سرزد ہوئی یہاں نہیں ہوئی۔ اس تعلیم کے لئے ایک اور بنی کی ضرورت ہے۔ احکام الٰہی اور امور شرع کی حدود میں یہ امتیاز اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

ہماری سمجھ میں اب تک یہی نہیں آیا کہ رسول کے نجی معاملات کون سے ہوتے ہیں۔ اس کا تو ہر قول اور ہر فعل حجت ہوتا ہے اور ابنائے روزگار پر اس کی تقلید فرض ہوتی ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ کا معلم ہوتا ہے خواہ تمدنی ہوں یا معاشرتی اخلاقی ہوں یا روحانی۔ جو رسول امور خانہ داری میں جھوٹ بول سکتا ہے گھر کے معاملات میں خطا کر سکتا ہے وہ تدبیر منزل کی تعلیم کیا خاک دے سکتا ہے۔ رسول تو وہی ہے جس کا ہر قول و فعل معلم اقوال و افعال انسانی ہو اور ہر ہر قدم پر اُن کا ہادی بنے۔ شریعت اسلام ایسی مکمل شریعت ہے کہ حیات انسانی کا کوئی پہلو اس کی حدود سے خارج نہیں۔ ایسی حالت میں کوئی صاحب ذرا ہمیں سمجھائیں کہ رسول کے نجی معاملات کیا ہو سکتے ہیں۔ آیۂ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحیٌ یوحیٰ تو یہ بتاتی ہے کہ رسول خواہش نفسانی سے کوئی کلام کرتا ہی نہیں مگر وہی جو اس پر وحی ہوتی ہے تو پھر مسلمان نجی اور غیر نجی کی قید کہاں سے لگا بیٹھے ہیں۔

پس جب عقلاً یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء سے صدور گناہ اور خطا و نسیاں کا سرزد ہونا ممکن نہیں تو قرآن میں اس قسم کی جتنی آیتیں ہیں جن سے انبیاء کا بظاہر خاطی یا ناسی ہونا ثابت ہوتا ہے اُن سب کی اسی طرح تاویل کرنی ہو گی جس طرح ان آیات کی جو خدا کے مجسم وغیرہ ہونے پر دال ہیں مثلاً ید اللہ فوق ایدیھم۔ بل یداہ مبسوطتان۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ انھم یکیدون کیدا واکید کیدا۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ حضرت رسول خدا سے قبل بعثت گناہ صادر ہوئے تھے چونکہ اس وقت وہ بنی نہ تھے لہذا جائز تھا۔ حضرت تو ہر زمانہ میں بنی تھے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین پس قبل بعثت کی قید لگانی ہی فضول تھی۔

انبیاء پر نسیان کو جائز جاننے والے حضرت موسیٰ کے متعلق یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ مَا انسانیہ اِلَّا الشیطان ہم بیان کر چکے کہ انبیاء کے لئے نسیان ایسا صحیح نہیں۔ پس اس آیت کے معنی تاویلاً یہ لئے جائیں گے کہ نہیں لے لیا اس کو ہم

سے مگر شیطان نے اسی طرح باقی آیات کی تاویل کر لی ہوگی۔

حضرت علی کی مدح ایک سنّی عالم کی زبان سے

لواقح الانوار عبد الوہاب شعرانی جلد ا صـ۲۳ کانَ یبردُ فی الشتاءِ حتی ترعدُ اعضاؤہ من البردِ فقیل لہ الا تاخذ لک کساءً من بیتِ المالِ فانہ واسع فقالَ لا انقص المسلمینَ من بیتِ مالِہم شیئاً وکانَ یقولُ التقوی ہِیَ ترک الاصرار علی المعصیۃِ وترک الاغترارِ بالطاعہ وکانَ لیستوحش من الدّنیا وزہرتہا ولیانس باللیل وظلمتہِ وکانَ یحاسِبُ نفسہُ علی کل شیءٍ وکانَ یعجبہ منِ اللباسِ ما قصُرَ ومنَ الطعامِ ما خشُنَ وکانَ یعظّمُ اہل الدّنیا المساکینَ وکان یصلّی لیلۃً ولا یہجعُ الا یسیراً وتململُ ویبکی بکاءَ الحزین حتّی یفنج جنت جاڑے میں ایسے کپڑے پہنتے تھے کہ آپ کے اعضا سردی سے تھر تھر کانپتے تھے۔ پس آپ سے لوگوں نے کہا کہ بیت المال تو بہت وسیع ہے آپ اس سے ایک چادر کیوں نہیں بنوا لیتے فرمایا میں مسلمانوں کے بیت المال سے کچھ کم کرنا نہیں چاہتا آپ فرمایا کرتے تھے تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ انسان معصیت پر اصرار کو ترک کر دے اور اطاعت پر غرور نہ کرے حضرت دنیا اور اس کی زینت سے بہت متنفر تھے اور رات کی تاریکی سے بہت مانوس تھے اور ہر امر میں اپنے نفس سے محاسبہ فرماتے تھے اور فقیروں کا سا تنگ لباس پہنتے تھے اور روکھا سوکھا کھانا کھاتے تھے اور اہلِ دنیا میں مساکین کی تعظیم کرتے تھے۔ رات کو نمازیں پڑھتے تھے اور بہت ہی کم سوتے تھے اور تلملاتے اور روتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح نمودار ہوتی تھی۔

حضرت علی کا استدلال حدیث غدیر سے

کتاب الانساب احمد بن یحییٰ میں جابر البلاذری سے منقول ہے۔

امیر المومنین نے ایک روز منبر پر فرمایا میں قسم دیتا ہوں اس شخص کو جو روز غدیر حاضر تھا کہ وہ بتائے کہ رسول اللہ نے میرے بارہ میں روز غدیر یہ فرمایا تھا یا نہیں اللّٰھمّ والِ منَ والاہُ وعادِ منَ عاداہُ۔ منبر کے نیچے انس بن مالک براء بن عازب اور جریر بن عبد اللہ بجلی بیٹھے تھے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا اللّٰھم من کتمَ ھذہٖ الشہادۃ وھو یعرفھا فلا تخرجہ من الدّنیا حتّیٰ تجعل بہٖ آیۃً یعرف بہا اے خدا جس نے شہادت کو اس معاملہ میں چھپایا ہے اسے دنیا سے نہ اٹھانا جب تک کوئی نشانی اس میں ایسی نہ پائی جائے جس سے وہ پہچانا جائے۔ پس انس مبروص ہوئے۔ براء اندھے ہوئے اور جریر زخم کھا کر مرے۔

خلافت حضرت علی پر استدلال

مسند احمد حنبل میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ رسول خدا سے خلافت کے بارہ میں سوال کرو سلمان نے پوچھا تو فرمایا اے سلمان موسیٰ کے وصی کون تھے انہوں نے کہا یوشع بن نون فرمایا میرے وصی و وارث میرے دین کو ادا کرنے والے اور میرے وعدہ کو پورا کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں۔

امیر المومنین نے بیعت نہیں کی

حضرت عمر کی وفات کے بعد عبدالرحمن بن عوف اس شرط پر خلافت دینا چاہتے تھے کہ وہ سیرت شیخین پر عمل کریں۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اگر آپ نے بیعت کی ہوتی تو علی جیسے کامل الایمان سے یہ بعید تھا کہ وہ اس عہد پر قائم نہ رہتے اور سیرت شیخین پر عمل کرنے سے منع کر دیتے۔ انہوں نے خلافت چھوڑ دی مگر ناجائز امر کو گوارا نہ کیا۔ اسی پر قیاس کرو امام حسین کا وہ بیعت یزید پر کیسے راضی ہو سکتے تھے۔

امام خدا کی طرف سے ہوتا ہے

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریٰتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ وہ اچھے بندے ہیں کہ خداوندا تو ہم کو ہماری ازواج اور اولاد سے خنکی چشم بخش اور ہم کو متقیوں کا امام بنا۔ اگر امامت خود اختیاری ہوتی تو یہ دعا نہ ہوتی۔ کتاب خدا بھی متقیوں کی ہدایت کے لئے آئی ہے۔ لاریب فیہ ھدی للمتقین۔

حسینؑ اور تعلیم قرآن بالعمل

(۱) والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ حسین اور اصحاب حسین نے وصیت بالحق اور صبر کا بہترین مظاہرہ کرایا۔

(۲) سورہ والتین۔ الیس اللہ باحکم الحاکمین۔ امام علیہ السلام نے اپنے ہر ہر عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اللہ کے احکم الحاکمین ہونے پر پورا پورا ایمان رکھتے تھے۔

(۳) الم نشرح۔ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ امام حسین اور ان کے اصحاب کا کسی مشکل میں نہ گھبرانا اس آیت پر ایمان رکھنے کا ثبوت تھا۔

(۴) والفجر۔ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن۔ واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ

رزقہ فیقول ربی اھانن (لیکن جب اس کا پروردگار اس طرح آزماتا ہے کہ اس کو نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے۔ میرے
پروردگار نے مجھے عزت دی ہے مگر جب اس کو اس طرح آزماتا ہے کہ اس پر روزی کو تنگ کر دیتا ہے تو بول اٹھتا ہے
کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا) امام حسین علیہ السلام نے ہر حالت میں صبر کر کے اور راضی برضا و شکر کر کے بتا دیا کہ ہم ہر حال
میں مرضیٔ الٰہی پر صابر و شاکر ہیں اور زبان سے شکایت کرنا جانتے ہی نہیں۔

(۵) الدہر۔ واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلاً طویلا۔ تمام تمام رات
عبادت الٰہی کر کے اس آیت کے حکم کی تعمیل کر دی۔

(۶) القیامہ۔ کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الآخرۃ۔ دنیا کی طرف سے بالکلیہ دل ہٹا کر اور آخرت کے
انتہائی مشتاق بن کر اس کا ثبوت دیا کہ ہم اس پر عامل ہیں۔

(۷) المعارج۔ ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا (بیشک انسان لالچی پیدا کیا گیا ہے اور جب اُسے
تکلیف چھو بھی گئی تو گھبرا گیا) کربلا والوں نے ہر مصیبت پر انتہائی صبر کر کے یہ سبق دیا کہ انسان کو ایسا صابر اور مستقل مزاج
ہونا چاہیئے۔

(۸) معارج۔ والذین یصدقون بیوم الدین۔ اپنے انتقام کو قیامت پر چھوڑ کر اس آیت پر ایمان رکھنے کا
اظہار کیا۔

(۹) معارج۔ والذین علی صلواتھم یحافظون۔ تلواروں کے سایہ میں نمازیں پڑھکر یہ سبق دیا کہ نماز کیسی محبوب
چیز ہے۔

(۱۰) ن والقلم۔ فلا تطع المکذبین (جھوٹوں کی اطاعت نہ کرو) بیعت یزید سے انکار اسی بنا پر تھا۔

(۱۱) المنافقون۔ یاایھا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ۔ کربلا والوں نے ذکر الٰہی کی
محبت میں ہر شے کی محبت اپنے دل سے نکال دی تھی۔ نہ مال کی طرف دھیان تھا نہ اولاد کی۔

(۱۲) جمعہ۔ یاایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین
انہوں نے تمنائے موت کر کے یہ بتا دیا کہ ہم اولیائے خدا میں سے ہیں۔ ان کے مشتاق موت ہونے کے متعلق شاعر کا یہ شعر
لکھ دینا کافی ہے۔

لبسوا القلوب علی الدروع کانما — یتھافتون علی ذھاب الانفس
انہوں نے زرہوں پر دل پہن لئے تھے — اور پروانوں کی طرح موت پر ٹوٹے پڑتے تھے۔

(۱۳) الصف۔ یاایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تومنون باللہ ورسولہ
وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم۔ (اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں سخت

عذاب سے نجات دلادے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کرتے ہو۔ اللہ اور رسول پر پورے پورے ایمان کا مظاہرہ کراتے ہوئے مال اور جان دونوں کی بہترین قربانیاں راہِ خدا میں پیش کردیں۔

(۱۴) ممتحنہ۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء۔ سر دیدیئے گھربار لٹا دیا اولاد قربان کردی مگر دشمنِ خدا یزید کو اپنا دوست نہ بنایا۔

(۱۵) الحشر۔ و یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ انتہائی مصائب وآلام بھی دوسروں کی مدد کرکے دکھادی۔ حر کی فوج کو پانی پلانے کا واقعہ شاہد ہے۔

(۱۶) الحجرات۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ تقوے کے اعلیٰ مدارج طے کرکے اپنا اکرم ہونا ثابت کردیا۔

(۱۷) محمد۔ یا ایھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ نصرتِ خدا میں ثابت قدم رہ کر اپنے عمل کا ایک نمونہ دنیا والوں کے لئے چھوڑا۔

(۱۸) والصّٰفّٰتِ صفًا فالزّٰجرٰتِ زجرًا فالتّٰلیٰتِ ذکرا (عبادت یا جہاد میں پرا باندھنے والوں کی قسم پھر بدوں کو برائی سے جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی قسم قرآن پڑھنے والوں کی قسم) ظاہر ہے کہ تینوں صورتیں بہترین عنوان سے کربلا والوں نے دکھائیں۔

(۱۹) الاحزاب۔ وتوکل علی اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا۔ کربلا والوں نے اپنے توکل کا جس شان سے مظاہرہ کیا اس کی نظیر دنیا میں کم ملتی ہے۔

(۲۰) العنکبوت۔ وما ھٰذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ واقعاتِ کربلا سے ثابت ہے کہ امام حسین اور آپ کے اصحاب پوری طرح حیاتِ آخرت پر ایمان رکھتے تھے اور دنیا اور زندگانی دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے۔

ہم نے مشتِ نمونہ از خروارے یہ چند آیتیں پیش کردی ہیں۔ ورنہ کربلا والوں کا جو قدم اٹھا وہ تعلیم قرآن کے موافق تھا۔

ایمان ابوطالب

روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۵۳ مطبوعہ نولکشور

آنگاہ حال وے تغیر یافتہ زبان در دہان جنبانید و چیزے مے گفت عباس گوش نزدیک دہان ابوطالب بردہ سر برآورد و گفت اے برادر زادۂ من آں کلمہ کہ تو بگفتن آں امر فرمودی میگوید۔

مرشد کی طرف حاجت ہے اگر کوئی کہے کہ نہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہدے کہ طب کی کتابوں کے ہوتے ہوئے مجھے طبیب کی ضرورت نہیں۔ یہ مانا کہ طب کی کتابوں میں سب کچھ ہے مگر ان کا سمجھنے والا اور استنباط کرنے والا بھی درکار ہے۔ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ اس پر شاہد ہے۔

معصوم و غیر معصوم میں فرق

غیر معصوم چاہے کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرے کوئی اثر اس پر ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن معصوم سے اگر ترک اولیٰ بھی ہو جاتا ہے تو بدن سے کپڑے اتر پڑتے ہیں کیونکہ عصمت حد درجہ نازک طبع ہے ہلکا سا بار بھی ترک اولیٰ کا برداشت نہیں کرتی۔ سخت جلد پر سخت سے سخت کانٹا ٹوٹ کر رہ جاتا ہے لیکن نرم جلد پر ذرا سا کانٹا اثر کر جاتا ہے۔ معصوم کی روحانیت چونکہ حد درجہ صاف وشفاف ہوتی ہے۔ اس لئے ذرا سی چھینٹ بھی اس پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ غیر معصوم چونکہ داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ترک اولیٰ کا عوض مل کر فوراً معاملہ صاف ہو جاتا ہے اور غیر معصوم کے گناہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔

خدا نے ہر جنس سے ایک ذات کو پسند فرمایا ہے

ساری زمینوں میں کعبہ کو، سارے پہاڑوں میں طور کو، سارے پتھروں میں حجر اسود کو، سارے درختوں میں شجر طور کو، سارے دریاؤں میں رود نیل کو، حیوانوں میں ناقہ صالح کو، طائروں میں ہدہد سلیمان کو، فرشتوں میں جبرئیل کو، تمام انبیاء میں محمد مصطفیٰ کو، یہی وجہ ہے کسی نبی یا رسول کے نام کا جزو مصطفیٰ نہیں۔ اوصیاء میں علی مرتضیٰ کو۔ مرتضیٰ ان کے نام کا بھی جزو بن گیا۔

حجر اسود

حجر اسود جنت میں حضرت آدم کے ساتھ رہا۔ حضرت آدم اس پر بیٹھکر ذکر خدا کیا کرتے تھے جب یہ جنت سے چلے زار زار رونے لگا اور سرکار الہیٰ میں عرض کی بار الہا اب میں تیرا ذکر کس سے سنوں گا۔ یہ سنکر دریائے رحمت الہیٰ جوش میں آیا اور اس کو کعبہ میں جگہ دی تاکہ ہمیشہ ذکر الہیٰ سنتا رہے۔ روز قیامت یہ لوگوں کے اعمال کی گواہی دے گا۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور جناب محمد حنفیہ کے درمیان جو امر امامت میں نزاع ہوا تھا تو اس کی گواہی حجر اسود ہی نے دی تھی جس کے بعد جناب محمد حنفیہ خاموش ہو گئے تھے۔ یہ پتھر آیات خدا میں سے ہے۔ اگر یہ جگہ سے اکھڑ جائے سوائے معصوم کے دوسرا کوئی اس کو نصب کر نہیں سکتا۔

نعمت سے کیا مراد ہے

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذکنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کی اور تم اس کی نعمت کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے) قبیلہ اوس خزرج میں پورے سو برس تک لڑائی رہی۔ حضرت رسول خدا نے مبعوث ہو کر ان کے درمیان صلح کرا دی۔ پس نعمت سے مراد ذات سرور انبیاء ہے اور یہ نعمت کامل ہوئی غدیر خم میں کیونکہ قیامت تک کیلئے ہدایت کا بندوبست ہو گیا آیہ لتسئلن یومئذٍ عن النعیم میں نعیم سے مراد نہ ٹھنڈا پانی ہے نہ عمدہ کھانا اور نہ نیند جیسا کہ علمائے عامہ کا خیال ہے۔ ایسی معمولی باتوں کے متعلق خدا قیامت میں کیوں سوال کرے گا۔ یہ اس کی شان سے بعید ہے کہ ایسی معمولی چیزوں کے متعلق پوچھے جس میں اس نے مومن و کافر سب کو حصہ دیا ہے اور جو اس کی خالقیت کا اقتضا ہے ایسی جزوی چیزوں پر احسان جتانا اس کے لئے بدنما ہے بلکہ عن النعیم سے مراد محبت و ولایت اہلبیت ہے۔ یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونہا میں نعمت سے مراد ولایت ہے۔ جب آیہ انما ولیکم اللہ نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم رسول کی ولایت کو تو تسلیم کر لیں گے لیکن علی کی ولایت کو نہ مانیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قرآن میں تحریف کی بین مثال

پارہ ۲۲ میں ہے قل ما سألتکم من اجرٍ فھو لکم ان اجری الا علی اللہ رب العالمین (میں نے جو اجر مانگا ہے وہ تمہارے ہی لئے ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر طلب کیا جا چکا۔ لیکن پچیسویں پارہ سورۂ شوریٰ میں ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔ یہاں اجر رسالت بعد میں بتایا گیا ہے۔ پھر بائیسویں پارہ میں اس کا ذکر کیسا۔ علاوہ بریں آیہ مودت حجۃ الوداع سے واپس آنے پر نازل ہوئی لہذا مدنی سورہ میں ہونی چاہیئے لیکن وہ ہے مکی سورہ میں۔

سورۃ الجاثیہ میں ہے وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر (نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیوی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں مارتا ہم کو مگر زمانہ) اس آیت میں نحیا و نموت ہونا چاہیئے تھا لیکن جامع القرآن صاحب نے الٹا کر دیا بھلا دہریہ حیات بعد الموت کے قائل کب ہیں جو پہلے نموت اور پھر نحیا کہا جاتا۔

خلافت موسوی اور خلافت محمدی

حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی بیعت ستر ہزار بنی اسرائیل سے لی تھی جو بعد کو گوسالہ پرست بن گئے۔ اسی طرح حضرت رسول خدا نے بھی جناب امیر علیہ السلام کی بیعت غدیر خم میں اسی تعداد کے مسلمانوں سے لی تھی۔ لیکن حضرت

پنجائتی خلیفہ

یونس۔ ویستنبئونک احق ھو قل ای و ربی انہ الحق وما انتم بمعجزین (وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ واقعہ حق ہے تم کہدو کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم حق ہے اور تم اس سے خدا کو عاجز کرنے والے نہیں ہو) کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ خدا کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول جو لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ علی کے بارہ میں جو تم کہتے ہو کیا وہ حق ہے تم جواب میں کہو میرے پروردگار کی قسم حق ہے اور تم خدا کو (اپنا پنچائتی خلیفہ بنا کر) عاجز کرنے والے نہیں) سورۂ سبا میں ہے ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک ھو الحق ویھدی الی صراط العزیز الحمید۔ تفسیر قمی میں ہے کہ مراد حق سے علی ہیں۔

جنب اللہ کون ہے

الزمر۔ ان تقول نفس یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ وان کنت من الساخرین (کوئی اس وقت کہے کہ ہائے افسوس میں نے جنب اللہ کے بارہ میں یہ کیسی کمی کی اور میں یقیناً اس کے ہنسی اڑانے والوں میں رہا) المناقب میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جنب اللہ سے مراد حضرت علی ہیں جو حضرت کی انتہائی قربت پر دال ہے۔ قرب منزلت کی تعریف میں یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بادشاہ یا نواب کے پہلو میں بیٹھنے والا ہے۔ ورنہ حقیقی معنی میں اگر جنب اللہ لیا جائے تو نہ خدا پہلو رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کے متعلق تفریط کرنے والا اور ٹھٹھا اڑانے والا ہے۔

امام حسنؑ پر صلح واجب تھی اور امام حسینؑ پر جنگ

النسا۔ الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال (کیا تم ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ جب ان سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھ قتال سے روک لو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو پس جب ان پر قتال کو واجب کیا گیا تو ایک فریق ان میں سے ایسا تھا کہ وہ لوگوں سے ڈر گیا جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی سخت اور وہ کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے ہم پر قتال کو واجب کیوں کیا) کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں کفوا ایدیکم سے امام حسنؑ کے ساتھ جنگ سے رکنا مراد ہے اور کتبت علیھم القتال سے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنا۔

دو بہکانے والے

(حم السجدہ) وَقَالَ الَّذِینَ کَفَرُوا رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَکُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ (کافروں نے کہا اے ہمارے رب ان لوگوں کو ہمیں دکھا دے جنہوں نے ہم کو بہکایا تھا جن و انسان میں سے تاکہ ہم انہیں اپنے پیروں کے نیچے رگڑ دیں۔) اس میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ بہکانا دو میں محدود ہے ایک تو شیطان جنوں میں سے یقینی ہے۔ دوسرے کی تلاش کرو کہ وہ شیطان کی ٹکر کا کون ہے۔ تفسیر قمی میں جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ شیطانِ انسی سے مراد فلاں شیطان ہے۔ شیطان نے دار الندوہ کی کمیٹی میں بہکایا تھا اور انسی شیطان نے کسی اور کمیٹی میں بہکایا۔

قدرتی فوٹوگرافک کیمرہ

انسان فوٹوگرافک کیمرہ دیکھ کر تعجب کرتا ہے لیکن کبھی اس کو اپنی آنکھوں کے کیمرہ سے تعجب نہیں ہوتا۔ کتنے قوی لینز ہیں کہ ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تصویر لے لیتے ہیں پھر خوبی یہ کہ پلیٹ کے بدلنے کی ضرورت نہیں کپڑا وغیرہ ڈالنے کی احتیاج نہیں۔ دھوپ میں بھی سایہ میں بھی جب تک چاہو کھلا رکھو تصویر میں کوئی نقصان نہیں۔ تصویر فوراً چھپ کر تیار ہو جاتی ہے پلکوں کی چلمن ہے پپوٹوں کا دروازہ ہے یہ اس کی حفاظت کا سامان ہے۔ دنیا میں ہر سفید شے نورانی اور ہر سیاہ تاریک ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ تاریکی میں نور اور سفیدی میں تاریکی ہے۔

انا النقطۃ تحت الباء

امیر المومنین علیہ السلام نقطۂ علومِ قرآن ہیں جس طرح پرکار کا ایک سرا نقطہ پر رہتا ہے اور دوسرا دائرہ بناتا ہے اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام مرکز ہیں اور علومِ قرآن اس کے گرد گھومتے ہیں علیٌ مع الحق والحقُ مع علیٍ اللّٰھم ادر الحق حیث دار کا مطلب بھی یہی ہے۔

بعد رحلتِ رسول علی نے جہاد کیوں نہ کیا

جب حضرت موسیٰ کی قوم گوسالہ پرست بن گئی اور حضرت موسیٰ واپس آئے تو حضرت ہارون سے کہا کہ تم ان سے لڑے کیوں نہیں۔ انہوں نے جواب دیا یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (اے میرے ماں جائے اس معاملہ میں آپ مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے مجھے یہ ڈر ہوا کہ آپ یہ نہ

کہدیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو نگاہ نہ رکھا) پس یہی امر جناب امیر علیہ السّلام کو مانع تھا کہ تفرقہ پڑ جائے گا۔

انبیا کے قبضہ میں کیا کیا دیا

حضرت ابراہیم کو آگ پر۔ حضرت موسیٰ کو پانی پر۔ حضرت داؤد کو لوہے پر۔ حضرت سلیمان کو ہوا پر۔ حضرت عیسیٰ کو امراض پر۔ حضرت محمد مصطفےٰ کو کل چیزوں پر سخّر لکم ما فی الارض جمیعاً (تم کو روئے زمین کی تمام چیزوں پر قبضہ اور اختیار دیا)

شیطان اور اس کی عبادت

خدا نے شیطان کو شیطان نہیں پیدا کیا بلکہ تمام جن وانس کی طرح اس کو بھی اپنی عبادت کے لئے خلق کیا تھا وَمَا خلقتُ الجنَّ والانسَ اِلّا لیعبدُون۔ جب تک حکمِ خدا کی تعمیل اور عبادت کرتا رہا صفوف ملائکہ میں شامل رہا اور جب حکمِ خدا سے سرتابی کی اور کیوں کہا شیطان بن گیا۔ اس نے کم سے کم چار یا چھ ہزار برس عبادت کی لیکن وہ ایک تکبر سے بیکار ہو گئی۔ اس نے خلیفۂ خدا سے حسد کیا۔ جو کوئی خلیفۂ خدا سے حسد کرے گا اس کا یہی حشر ہو گا۔ شیطان کے متعلق کوئی ذی عقل یہ نہیں کہتا کہ اس نے اتنی زیادہ عبادت کی ہے تو اسے پیر یا ولی کیوں نہیں مانتے۔ اس کا بڑا احسان ہے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ صفتِ ایمان اس میں مفقود ہے اب چاہے وہ کتنی ہی عبادت کرے نامقبول ہر عمل عملِ شیطان۔ چونکہ اس کی توبہ ثابت نہیں لہذا وہ شیطان ہی بنا ولی نہ بنا۔ ولی اگر ہے تو شیطانی گروہ میں نہ کہ رحمانی گروہ میں۔ خدا نے اس کی عبادت کا بدلہ قیامت کی زندگی اور کچھ تصرف وتسلط کے ساتھ دے دیا۔ پس جب انسانی شیطان نے چند سال دائرۂ اسلام میں عبادت کی اسے بھی اس دنیا میں کچھ بدلہ دینا ضرور تھا چند سال کی حکومت اور مسلمانوں پر حق تصرف اسے بھی بطور اجر دیدیا شیطان تین اصول کا قائل تھا دو کا نہ تھا اسی لئے وہ شیطان بن گیا۔ خدا کا خطاب ملائکہ سے تھا مگر شیطان ان کی صحبت میں بیٹھنے سے اس قابل ہو گیا کہ اس خطاب کے تحت میں آ جائے۔ ورنہ اصلی خطاب ملائکہ سے تھا۔ اسی طرح قرآن میں یا ایّھا الّذین اٰمنوٓا کا خطاب جہاں کہیں ہے وہاں اصلی مخاطب اور ہی لوگ ہیں۔ انسانی جن تو اسی طرح اس کے تحت میں ہیں جیسے شیطان۔ شیطان کی ذریت آدم کی ذریت سے زیادہ ہے۔ آدمی کے ایک بچہ ہوتا ہے تو اس کے دو شیطان کے پیر نہیں وہ کسی لڑائی میں تھمتا نہیں اگر تھمے تو غضب آ جائے۔ ہر میدان میں ثابت قدم رہنے والی ہمیشہ نیکی ہوتی ہے خدا کسی آدمی کے ساتھ کبھی کسی شیطان کو نہ لگائے۔ باوجود انتہائی کفر کے شیطان اتنا منزلت شناس ضرور تھا کہ اس نے عباد مخلصین کو یاد رکھا اور ان کے اغوا کا دم نہ بھرا یعنی ان کے وقار اور خلوص کا اس نے احترام کیا۔ لیکن بعض شیطان ایسے

تھے کہ وہ عباد مخلصین کے اس احترام کو بھول گئے۔

پیروں کا مسح

حضرات اہلسنت وضو میں پیر دھوتے ہیں حالانکہ ان ہی کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا مسح کرتے تھے چنانچہ سنن ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ باب الصلوٰۃ میں یہ عبارت موجود ہے قال رسول اللہ انہا لا تتم صلوٰۃ احدکم حتی لا یسبغ الوضوء کما امر اللہ تعالیٰ فیغسل وجہہ ویدیہ الی المرفقین و یمسح براسہ و رجلیہ الی الکعبین ثم یکبر اللہ یعنی حضرت نے فرمایا تمہاری نماز پوری نہ ہوگی جب تک تم اسی طرح وضو نہ کرو جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے پس چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنا منہ دھوئے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھوئے اور اپنے سر اور پیروں کا ٹخنوں تک مسح نہ کرے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا حدیث ضعیف ہے

نووی صفحہ ۱۷۳ اما حدیث علی انہ قال من السنۃ فی الصلوٰۃ وضع الاکف علی الاکف تحت السرۃ ضعیف متفق علی تضعیفہ رواہ الدارقطنی والبیہقی من روایۃ ابی شیبۃ عبدالرحمن بن اسحاق واسطی وھو ضعیف بالاتفاق۔ نماز میں ناف پر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ضعیف روایت ہے اور اس کے ضعف پر لوگوں کا اتفاق ہے۔

گردن کا مسح بدعت ہے

میزان الشعرانی صفحہ ۱۳۹ ومن ذلک قول مالک والشافعی ان مسح صفحۃ العنق بالماء لیس سنۃ مع قول ابی حنیفۃ واحمد۔ مالک و شافعی کا قول ہے کہ گردن کا مسح کرنا سنت نہیں پس جب سنت نہیں تو بدعت ہے۔

دو نمازیں ایک ساتھ رسول نے پڑھیں

حضرات اہلسنت شیعوں پر معترض ہیں کہ وہ دو نمازیں ملا کر پڑھتے ہیں حالانکہ ان ہی کتابوں سے ثابت ہے کہ ایسا عمل رسول نے کیا ہے۔ ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ الجمع بین الصلوٰتین عن ابن عباس قال جمع رسول اللہ بین الظہر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا نے ظہر و عصر و مغرب و عشا کی نماز مدینہ میں ملا کر پڑھیں بغیر کسی خوف یا بارش کے۔

ترمذی کتاب العلل۔ حدیث ابن عباس ان النبی جمع بین الظہر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء

مِن غیرِ خوفٍ ولا سفرٍ ولا مَطَرٍ اس عبارت کا مطلب بھی وہی ہے۔

موطا میں ہے عن عبد اللہ بن عباس انہ قال صلّی لنا رسول اللہ الظہر وَ العَصرَ جمیعًا وَ المغرب والعشاءَ جمیعًا مِن غیرِ خوفٍ ولا سفرٍ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے۔

موطا میں نافع سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر کا یہ معمول تھا کہ جب امرا آجاتے تھے اور بارش ہوتی تھی تو وہ مغرب وعشا کی دونوں نمازیں ملا کر پڑھتے تھے۔

موطا میں حضرت علی بن الحسین سے مروی ہے کہ جب حضرت رسولخدا دن میں کہیں جانے کا ارادہ کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں ملا کر پڑھتے اور جب رات میں جانے کا قصد ہوتا تو مغرب وعشا کو ملا دیتے۔

نماز میں درود و تشہد

تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۷۹۷ آیۃ اِنّ اللہ وَملائکتہ یصلّون علی النبی کے تحت میں لکھتے ہیں یہ بنا بر مذہب شافعی نبی پر درود واجب تو ہے لیکن نماز میں نہیں۔ لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں فرمایا یوں کہا کرو۔ اللّھم صلّ علی محمّد وعلی آلِ محمّد۔

مذہب شافعی میں نماز میں درود و تشہد پڑھتے ہیں لیکن حنفی نہیں پڑھتے۔

تلقین کا حکم

احیاء العلوم غزالی جلد ۴ صفحہ ۲۵۸ قالَ ابو سعید الخدری قال رسول اللہ لقنوا اموا تکم لا الہ الا اللہ۔ فرمایا حضرت رسولخدا نے اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

ابوہریرہ نماز میں قنوت پڑھتے تھے

مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۷ ابوہریرہ نماز ظہر وعشا و نماز صبح میں قنوت پڑھتے تھے۔ مومنین کے لئے دعا کرتے تھے اور کفار پر لعن۔

خلفا نماز میں بسم اللہ نہ پڑھتے تھے

مؤطائے امام مالک میں ہے عن اَنَسٍ قال رایتُ ابا بکرٍ وعُمرَ وعثمانَ فکانَ کلّھم لا یقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا فتحوا الصّلوٰۃ میں نے ابوبکر و عمر و عثمان کو دیکھا کہ وہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں

پڑھتے تھے، حالانکہ بسم اللہ جزو سورۂ فاتحہ ہے۔ تفسیر بیضاوی جلد اول میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں پہلی ان کی بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ جناب ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا نے سورۂ فاتحہ کو پڑھا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اور الحمد للہ رب العالمین کو ایک آیت شمار کیا۔ تفسیر اتقان اور تفسیر جلالین میں بھی یہی ہے۔

اشہد ان امیر المومنین داخل اذان ہے

ابو اللیث ہروی ریاض الصادقین میں لکھتے ہیں۔

در حین حیات حضرت رسول خدا پنج بار در مدت ششماہ یا نہ ماہ اتفاق ایں مقال افتاد و رفقہ را از نجا دمت داده کہ ایں الفاظ در اذان و اقامت نے بر دارند اما میدانند کہ ایں حکم منسوخ شده کہ مشایخ صحابہ کلہے آنرا در زمان خلافت خود در اذان و اقامت نگفتہ اند بلکہ احدے اگر جرأت ایں امر مے کرد حضرت عمر فاروق او را تادیب شدید میگرفت۔

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ کلمہ داخل اذان تھا اب رہا یہ کہنا کہ وہ منسوخ ہو گیا قطعاً بے ثبوت ہے اس کی ناسخ نہ کوئی آیت نظر آتی ہے نہ حدیث۔ یہ تک بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ چھ یا نو مہینے میں صرف پانچ بار ہی یہ کلمہ کس ضرورت سے کہا گیا اگر داخل اذان تھا تو ہر اذان میں کہنا ضروری تھا اور اگر داخل نہ تھا تو پھر ایک بار بھی جائز نہ تھا پانچ بار کا تذکرہ ہی کیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچ کی تعداد محض تعصباً بیان کی گئی ہے۔

نماز تراویح

سنن نسائی جلد اول ص۱۴۵ پر زید ابن ثابت سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا مسجد کے ایک گوشہ میں بوریے پر راتوں کو نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک رات حضرت کے نماز پڑھنے کی آواز سنائی نہ دی لوگ سمجھے آپ سو رہے ہیں۔ بعض اس خیال سے کھنکارے کہ اگر آپ بیدار ہوں تو اپنے نماز پڑھنے کی حالت سے اطلاع دیں۔ حضرت نے دل گرفتہ ہو کر فرمایا میں تم سے ہمیشہ ایسی ہی حرکات دیکھتا ہوں مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہیں نماز نافلہ تم پر واجب نہ ہو جائے۔ ایہا الناس تم اپنی یہ سنت نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ سوائے نماز واجب کے بہتر یہی ہے کہ ہر شخص اپنی سنت نماز اپنے گھر ہی میں پڑھے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضرت تو نماز سنت پڑھنے کا گھر کے اندر حکم دیں اور حضرت عمر اتنی ترقی کریں کہ نماز تراویح کو با جماعت مسجد میں پڑھوائیں اور مسلمان اتنی جرأت کریں کہ حکم رسول سے حکم عمر کو زیادہ سمجھیں۔ مذکورہ بالا روایت مشکوۃ نقل نمبر ۔۔۔ پر لکھی ہے۔

بخاری جلد ۱ ۔ ۲۶۹ پر ہے کہ ابوہریرہ سے منقول ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا جو شخص نافلۂ رمضان المبارک ادا کرے۔ اللہ اس کے گناہانِ سابقہ کو بخش دیتا ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا کی زندگی تک اور خلافت ابوبکر اور شروع خلافتِ عمر تک یہ نماز بغیر جماعت کے ہوتی رہی بعد کو عمر نے جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا۔

جنازہ کا دھوپ میں رہنا باعث توہین ہے

جب حضرت داؤد کا جنازہ تیار ہوا تو دھوپ بہت تیز تھی حضرت سلیمان کو گوارا نہ ہوا کہ باپ کا جنازہ دھوپ میں جائے فوراً طیور کو حکم دیا کہ اس پر سایہ فگن ہوں۔

جب حضرت نوح کے پاس ملک الموت قبض روح کو آئے تو اس وقت آپ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ فرمایا اتنی مہلت دو کہ میں سایہ میں چلا جاؤں۔ پوچھا کیوں فرمایا اس لئے کہ دھوپ میں رہنا میت کی توہین ہے۔

حضرت یونس اور کدو کا درخت

حضرت یونس جب شکم ماہی سے نکلے تو خدا نے وہاں ایک کدو کا درخت اُگا دیا اسی سے انہوں نے غذا حاصل کی جب بدن میں کچھ توانائی آئی تو خدا نے اس کو سکھا دیا۔ یونس اس پر بہت روئے وحی ہوئی اے یونس یہ درخت باوجودیکہ تم نے نہیں اُگایا تھا لیکن اس کے فنا ہونے کا تم کو کتنا صدمہ ہوا حالانکہ اس کی کوئی قیمت نہیں لیکن تم نے کتنے ہزار لوگوں کے ہلاک کرنے کی ہم سے بددعا کی کچھ اس کے متعلق نہ سوچا۔

حضرت عُزیر کا ایک خاص واقعہ

حضرت عُزیر ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں کے لوگوں پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا اور لوگ مرے پڑے تھے۔ حضرت عُزیر نے کہا اے خدا اس میں تیری کیا مصلحت ہے کہ بدوں کے ساتھ اچھوں کو بھی مار ڈالتا ہے۔ حکم ہوا اے عُزیر اس کا جواب تم کو عنقریب ملے گا۔ آگے بڑھے تو ایک فرشتہ بصورت انسان ملا اور کہا اے عُزیر کیا تم ہوا کے جھونکے کو روک سکتے ہو۔ کہا نہیں۔ پوچھا چلتے دریا کو روک سکتے ہو کہا نہیں۔ اس نے کہا جب ایسی معمولی چیزوں میں تمہاری طاقت کام نہیں کرتی تو قضا و قدر الٰہی کو تم کیا سمجھ سکتے ہو۔ آگے بڑھے تو ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔ اتفاقاً ایک چیونٹی نے زور سے ان کی آنکھ میں کاٹا۔ بیدار ہوئے تو دیکھا بہت سی چیونٹیاں ایک سوراخ سے نکل رہی ہیں۔ آپ نے غصہ میں آکر ان کے سوراخ میں آگ بھر دی۔ وحی ہوئی اے عُزیر تم نے ان سب چیونٹیوں کو کیوں جلایا۔ عرض کی ایک چیونٹی نے مجھے کاٹا ہے۔ پوچھا اے عُزیر ایک ہی نے تو کاٹا ہے تم نے سب کو کیوں جلایا۔ یہ تو سب بے قصور تھیں۔ اے عُزیر یاد رکھو اگر تم

نیکوں کو بدوں کے ساتھ مارتے ہیں تو دنیا کے عوض آخرت میں ان کو بہت بڑا بدلہ بھی دے دیتے ہیں (منقول از روضۃ الصفا)

حضرت مریم کا عجیب جواب

جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو یوسف نجار نے کہا اے مریم کسی تخم کو بغیر کھیتی کے اور کسی کھیتی کو بغیر تخم کے دیکھا ہے فرمایا بتاؤ پہلے بیج تھا یا کھیتی۔ کھیتی سے اگر بیج پیدا ہوا تو کھیتی کہاں سے آئی اور اگر بیج سے کھیتی پیدا ہوئی تو بیج کہاں سے آیا۔ مطلب یہ تھا کہ کسی ایک چیز کے متعلق یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بدون اسباب ظاہری حاصل ہوئی ہے پس اسی پر میرے حاملہ ہونے کا قیاس کرو۔ یوسف نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر باپ کے بچہ پیدا ہو۔ جناب مریم نے جواب دیا بغیر باپ کے کیا بغیر ماں اور باپ دونوں کے ہو سکتا ہے۔

جناب مریم کا سوال اور خدا کا جواب

جب حضرت عیسیٰ درخت کے نیچے پیدا ہوئے اور حضرت مریم پر بھوک کا غلبہ ہوا تو جبرئیل نے ندا دی هُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (اس درخت کی جڑ ہلاؤ تمہارے اوپر تازہ تازہ خرمے گریں گے) حضرت مریم نے عرض کی خداوندا جب میں اچھی تھی تو بغیر کسی زحمت کے عطا کرتا تھا اور اب کہ رنجور ہوں درخت کو ہلانے کا حکم دیتا ہے فرمایا اے مریم اس وقت تم کو صرف مجھی سے محبت تھی اور اب تمہاری محبت میرے اور عیسیٰ کے درمیان تقسیم ہو گئی لہذا اب کوشش کرو اور کھاؤ۔

خلافت و امامت

خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں لیکن اس سے صرف جگہ پر کسی کا بیٹھ جانا مقصود نہیں بلکہ جانشینی بحیثیت عہدہ بہ حیثیت فرائض بہ حیثیت اخلاق و اعمال و مراتب کمال ہونی چاہیئے۔ ایک شاعر کا جانشین ایک شاعر اور ایک طبیب کا جانشین ایک طبیب ہوتا ہے۔ اگر شاعر کی جگہ ایک حکیم کو بٹھا دیا جائے تو درست نہیں بلکہ ایک نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً غزل گو شاعر کا جانشین مرثیہ گو نہیں ہو سکتا نہ شاعر کی جگہ ایک لوہار اور قاضی کی جگہ معمار۔

ظاہر ہے کہ حضرت رسولخدا کوئی دنیوی سلطنت قائم کرنے نہیں آئے تھے بلکہ وہ ایک معلم روحانی تھے وہ ایک ایسی قوم بنا رہے تھے جو انسانیت اور اخلاق کے جواہر سے آراستہ ہو اور تلوار سے نہیں بلکہ شرافت نفس سے روحانی حکومت قائم کرے اگر آپ کی حیثیت صرف ایک دنیوی بادشاہ کی ہوتی تو خلافت کے لئے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی تھی سب سے پہلے جب حضرت رسولخدا نے موافق آیہ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ دعوت دی تو علی

ہی تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اسی جلسہ میں حضرت نے اپنی جانشینی کا اعلان کیا تھا یعنی دعوت اسلام دینے کے بعد فرمایا فایکم یوازرنی فی ھذا الامر علیٰ ان یکون اخی و وصیی وخلیفتی فیکم حضرت علی علیہ السلام نے فوراً کھڑے ہوکر فرمایا یارسول اللہ میں اس کام میں آپ کا وزیر بنوں گا حضرت نے فرمایا ان ھذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ (طبری، ابو الفداء، کامل، معالم التنزیل)

آخر زمانہ میں جب علی نے بہترین صورت میں یہ خدمات انجام دیں تو یہ معاہدہ قائم رہنا چاہیئے اور منسوخ نہ ہونا چاہیئے۔ جب حضرت رسول خدا ایک ایسی قوم بنا رہے تھے جو اخلاق سے آراستہ ہو تو اس کے اجتماع کے لئے ایک سیاسی قانون کی بھی ضرورت تھی لیکن وہ سیاست اس سیاست سے بالکل جداگانہ تھی جو سلاطین دنیا کے پیش نظر ہے جس میں قہر و غلبہ اور جبر و استبداد کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ رسول کی سیاست وہ تھی جو کسی طرح تربیت اخلاقی سے علیحدہ جا ہی نہیں سکتی۔

جانشین نبی

جس طرح نبی کا جانشین غیر معصوم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہمارے رسول کا جانشین بھی غیر معصوم نہیں ہوسکتا جس طرح نبی کو تمام امت پر اولویت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جانشین نبی کو ہونی چاہیئے اور یہ اولویت بدوں عصمت متحقق نہیں۔ جانشین امر تبلیغ میں نبی کا شریک کار ہوتا ہے۔ ساتھ ہونا اور بات ہے اور ساتھی ہونا اور بات ہے والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا سے چار شخص علیحدہ علیحدہ کیوں مراد لئے جائیں۔ ایک ہی کو چاروں کا مصداق کیوں نہ قرار دیں۔

مہر نبوت کی شان

حضرت رسول خدا عرشہ منبر پر بیٹھکر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ خلیفۂ اول نے ایک زینہ اتر کر خطبہ پڑھا۔ ثانی نے ایک اور زینہ اتر کر۔ چونکہ منبر کے دو ہی زینے تھے لہذا تیسرے صاحب کو جگہ نہ رہی انہوں نے ایک گدی بنا کر آخری زینہ کے نیچے رکھی۔ جب حضرت علی کا نمبر آیا تو لوگوں کو خیال ہوا آپ زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھیں گے لیکن آپ جا کر رسول خدا کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ لوگوں میں اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کیا شور مچا رہے ہو۔ انہوں نے کہا آپ نے سنت خلفا کے خلاف عمل کیا ہے اور رسول خدا کی جگہ پر جا کر بیٹھے ہیں فرمایا ما ھذہ الخشب یہ لکڑی کیا چیز ہے میں نے تو حضرت رسول خدا کی مہر نبوت پر قدم رکھا ہے۔

اس سے مہر نبوت کی توہین نہ تھی کیونکہ اپنا ہی جزو تھا اگر آنحضرت اپنا ہاتھ مہر نبوت پر رکھ لیتے تو کیا توہین تھی

ہاں کسی غیر کا قدم وہاں پہنچ جاتا تو ضرور قابلِ اعتراض بات ہوتی۔

مہرِ نبوت کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ اس کی زیارت کا لوگوں کو اشتیاق رہتا تھا۔ جناب سلمان فارسی جن کے بڑے مراتب ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ان کو سلمان فارسی نہ کہو بلکہ سلمانِ محمدی کہو۔ ان کی عمر ڈھائی سو برس کی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے بارہویں وصی تھے۔ انبیاء کی امانتیں ان کے پاس تھیں۔ یہ ایک یہودیہ کے غلام تھے جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضرت رسولِ خدا سے اپنا حال عرض کیا آپ نے جناب سلمان کو اس زنِ یہودیہ سے خرید فرمالیا۔ ایک بار جناب سلمان پر کچھ قرض ہوگیا اور ادا کرنے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ حضرت رسولِ خدا سے عرض کی آپ مالِ دنیا سے مجھے کچھ دیجئے تاکہ میں یہ قرض ادا کروں۔ فرمایا ہمارے پاس مالِ دنیا سے کچھ نہیں۔ عرض کی جب آپ ہی کے پاس نہیں تو کس کے پاس ہوگا۔ فرمایا کیا جو ہمارے پاس ہے وہ تمہارے پاس نہیں (یعنی ایمان) عرض کی تو پھر اس سے کام لوں۔ فرمایا ہاں۔ پس سلمان نے ایک پتھر زمین سے اٹھالیا اور خدا سے دعا کی وہ اسی وقت سونا ہوگیا حضرت رسولِ خدا نے فرمایا اے سلمان اس میں سے بقدرِ ضرورت لے لو باقی پھینک دو بقدرتِ خدا پھر پتھر ہو جائے گا۔ یہ تھی شان جناب سلمان کی۔ ایسا شخص مہرِ نبوت کا مشتاق بنا رہتا تھا۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے وقت سب سے پہلے اسی مہرِ نبوت کی زیارت کی۔ پس اس مہر پر جس کے قدم رکھے گئے وہ کس مرتبہ کا انسان تھا۔

انسان طبعی و نفسی و عقلی

انسان تین قسم کے ہیں انسان طبعی، انسان نفسی اور انسانِ عقلی۔ انسانِ طبعی کے جسم کا انداز اور ہے غذا اور ہے اعضا اور ہیں۔ انسانِ نفسی کے جسم کا انداز اور ہے غذا اور ہے اعضا اور ہیں۔ خواب میں انسان نفسی کو ہم دیکھتے ہیں۔ انسانِ عقلی اور ہے اس کے اعضاء و جوارح بھی اور ہیں۔ انسانِ طبعی نہایت پست درجہ میں ہے۔ اس میں مادہ کی بہت کچھ نازبرداری ہوتی ہے۔ اس کے اعضا کی قوتیں محدود ہیں اس کا لباس مادی تلنے بانے سے تیار رہتا ہے۔ انسانِ عقلی کا لباس بھی عقلی ہوتا ہے اس کی ترقی کی دنیا بھی اور ہے۔ خدائی انتخاب میں اگر کوئی آسکتا ہے تو وہ انسانِ عقلی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ تمام اقسام میں وہی اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کے ہاتھ کچھ اور ہی ہاتھ ہیں اس کی آنکھیں کچھ اور ہی ہیں اس کے کان کچھ اور ہی ہیں چہرہ کچھ اور ہی ہے۔ اگر خدا اپنے لئے انتخاب کرے گا تو انسانِ عقلی ہی کے ہاتھ کو ید اللہ کہے گا۔ کیونکہ وہ اس سے قریب تر ہے اور اس کی قوتوں کا مظہر بننے کے لئے زیادہ شایاں ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ بنانے کے لئے ایک خاص ہاتھ کو منتخب کیا۔

ید اللہ

انبیاء کے ہاتھوں میں بھی ایک خاص زور ہوتا ہے لیکن ید اللہ کی طاقت کچھ اور ہی ہے۔ انبیاء کے ہاتھوں کی طاقت

دیکھو حضرت داؤد کے ہاتھوں میں جاکر لوہا موم ہو جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم کے ہاتھ نمرودیوں نے آگ میں ڈالنے کے وقت باندھنے چاہے مگر ہر مرتبہ آپ نے بندش کو توڑ دیا گویا طریق ابراہیم ہاتھ باندھنا تھا ہی نہیں۔ موسیٰ کے ہاتھ میں اژدہا آتے ہی عصا کی صورت میں آجاتا تھا۔ عیسیٰ کا ہاتھ مریض پر پہنچتے ہی مریض اچھا ہو جاتا تھا حضرت محمد مصطفےٰ کا ہاتھ سنگریزوں سے تسبیح پڑھوا دیتا تھا۔ اس ہاتھ نے جس کو بلند کیا اس کی رفعت کا کیا ٹھکانہ۔ منبر غدیر پر رسول نے مدینہ علم کے دروازہ کو بلند کیا۔ ایک دروازہ تو نور الہیٰ کے اس ہاتھ نے بلند کیا۔ دوسرا دروازہ اس نور کے دوسرے ہاتھ نے بلند کیا جو خیبر کا دروازہ تھا۔ انہوں نے منبر پر بیٹھکر اٹھایا علی نے کھڑے ہو کر بلند کیا بادشاہ اور وزیر میں یہی فرق ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ بغیر دو کے کام نہیں چلتا جب تک دونوں ہاتھ آدمی کے نہ ہوں کام میں دقت ہوتی ہے۔ جب مادی بدن کے لئے دو ہاتھ درکار ہیں تو روحانی اور عقلی بدن کو دو ہاتھ کیوں نہ درکار ہوں گے۔ انتظام عالم میں دو ہی کو بڑا دخل ہے ایک ظلِ ربوبیت جو مخلوق کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ دوسرے رسول کا ظلِ رحمت جو اقدام کو اپنی جگہ پر جمائے ہوئے ہے وہ اوپر ہے یہ نیچے ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے نور کو دو حصوں میں کر دیا۔ شبِ معراج ایک حصہ اوپر تھا دوسرا النقطہ زمین بنا ہوا نیچے۔

عین اللہ

ہاتھوں کی طرح عین اللہ بھی انسانِ عقلی کی آنکھ ہونی چاہیئے۔ آنکھ سارے بدن میں مرکز نور ہے اگر یہ نہیں تو دنیا تاریک ہے۔ اس کو قدرت نے سب سے چھوٹا بنایا ہے۔ بڑے بڑے اعضا میں سے کسی کو نور نہ دیا اگر دیا تو چھوٹے کو آنکھ کی قائم مقامی کوئی عضو نہیں کر سکتا کیونکہ ان میں سے کسی میں نور نہیں سب اندھے ہیں۔ آنکھ پھوٹ جائے تو نقلی آنکھ پتھر کی بنوا کر اسی جگہ رکھی جا سکتی ہے جہاں اصلی آنکھ ہوتی ہے۔ لیکن جب کتاب پڑھنے کا وقت آئے گا تو نقلی آنکھ اصلی سے کہے گی تو پڑھ دے۔ میں صورت میں آنکھ ہوں مگر سیرت میں نہیں۔ بے عقل تو نقلی آنکھ سے دھوکہ کھا سکتا ہے لیکن سمجھنے والا تو حرکت سے پہچان لے گا کہ نقلی ہے۔ علی کا سارا جسم عین اللہ تھا نہ کہ صرف آنکھ۔ علی کی آنکھ جو عین اللہ تھی دنیا کے تمام حالات کی ناظر تھی۔

اذنُ اللہ

جو کان اُذن اللہ بننے کے قابل تھے وہ انسانِ طبعی کے نہیں بلکہ انسانِ عقلی کے تھے وہ ان آوازوں کو سنتے تھے جو دوسرے کان نہیں سن سکتے تھے۔ موسیٰ طور پر گئے اور وہاں درخت سے وہ آواز سُنی جس کو سننے کی دوسرے کان تاب نہ لا سکتے تھے۔ پہاڑ بھی کیا جگہ ہے گئے تھے بشر بنکر لیکن وہاں بشریت سے نبوت کو بدل آئے۔ لیکن اسی پہاڑ پر بعض حیوان صفت لوگ انسانیت کو حیوانیت سے بدل لیتے ہیں۔ معمولی کان ایک خاص فاصلے کے اندر اور خاص شرائط

کے تحت میں کوئی آواز سن سکتے ہیں۔ لیکن اذن اللہ فرشتوں کی تسبیح اور وحی کی آواز تک سنتا ہے۔ وہ وحی کی زبان سے سنی ہوئی بات کو بھولتا نہیں وہ اذن اللہ الواعیہ ہے۔

لسان اللہ

کیا ٹھکانا ہے علو شان کا اس ذات کی جس کی زبان لسان اللہ اور لسان صدق کا خطاب حاصل کرے جس پر کذب و دروغ کے الفاظ نے کبھی جگہ ہی نہ پائی ہو۔ جو قلب وحی کا سچا ترجمان ہو جس کی زبان اسرار قرآنیہ کی سچی مفسر ہو۔ جناب موسیٰ طور پر گئے۔ درخت سے کلام سنا۔ موسیٰ سامع تھے اور درخت متکلم۔ ظاہر ہے کہ متکلم کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے اور سامع کی کچھ اور کیونکہ متکلم دیتا ہے اور سامع لیتا ہے۔ کتنا بڑا مرتبہ ہے اس کا جو لسان اللہ بنا اور جس نے عرش پر زبان الٰہی بن کر کلام کیا۔

بیت اللہ

انسان عقلی کا گھر بھی کچھ اور ہوتا ہے والراسخون فی العلم سے واضح ہوتا ہے کہ علم ظرف ہے اور انسان عقلی مظروف۔ یعنی علم اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ خیال کرو جس انسان کا طبعی حالت میں بیت اللہ گھر بنا اس کے وجود عقلی کا گھر کیسا ہوگا۔ طبعی گھر رسول اللہ کے اور تھے اور اس کے اہلبیت اور تھے۔ عقلی گھر اور تھے اور اس عقلی گھر کے اہلبیت بھی اور تھے۔ جہاں جس کی ضرورت ہوئی وہاں کے اہلبیت پیش کئے۔ مباہلہ کے لئے عصمت پوش، صداقت شعار اور علم و فضل سے آراستہ لوگ درکار تھے لہٰذا رسول نے انہی کو ساتھ لیا۔ ان عقلی اور روحانی پیکروں کے لئے اللہ نے کچھ گھر بھی اور ہی بنائے ہیں جن کی طرف اشارہ ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع میں۔

اللہ کا رُخ ہر طرف ہے

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا مجھے یہ بتائیے اللہ کا رُخ کس طرف ہے۔ آپ نے ایک شمع جلا کر فرمایا تھا اس کا رُخ کس طرف ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ایک خواب

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے خواب میں عمر خطاب کو یہ کہتے سنا کہ آیۂ غار سے حضرت ابوبکر کی فضیلت چھ طرح سے ثابت ہوتی ہے اوّل ثانی اثنین سے دوسرے اذھما کی ضمیر میں دونوں کا شمول تیسرے لصاحبہ سے چوتھے لاتحزن رسول

کا پیارے کہنا پانچویں معنا سے معیت چھٹے انزل اللہ سکینتہ علیہ سے نزول سکینہ۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے فرمایا ان باتوں سے مدح تو ثابت نہیں بلکہ تنقیص ثابت ہوتی ہے اول ثانی اثنین ہونا کوئی فضیلت نہیں یہ تو رسول ہیں خدا بھی اگر دو آدمی باتیں کرتے ہوں تو ان کا تیسرا ہے۔ اور اگر تین باتیں کرتے ہوں تو ان کا چوتھا ہے اور اگر چار باتیں کرتے ہوں تو ان کا پانچواں ہے خواہ مومن ہوں یا کافر تو ایسی صورت میں فضیلت کیا ہوئی۔

اسی طرح اذ ھما کی ضمیر میں دونوں کا شمول ہے جب دو ایک مقام پر ہوں خواہ کسی حیثیت کے ہوں تو ان پر ھما کی ضمیر کا اطلاق ہوگا۔ اگر قاتل و مقتول کا ذکر ہوگا تو بھی ضمیر تثنیہ ہی لائی جائے گی۔

رہا صاحب کہنا تو یہ بھی باعثِ فضیلت نہیں۔ کفار پر بھی لفظ صاحب کا اطلاق ہوتا ہے حضرت یوسف نے فرمایا یا صاحبی السجن (اے میرے قید خانہ کے ساتھیو) صاحب تو پاس بیٹھنے والے کو کہتے ہیں چاہے مومن ہو یا کافر اس صورت میں وجہ فضیلت کیا۔

اب رہا لاتحزن تو یہ نہی ہے اکثر نہی حرام کام سے روکنے کے لئے آتی ہے۔ اگر حرام سے نہیں تو کم از کم مکروہ سے تو روکنے کو آتی ہی ہے یعنی ممنوع کام سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ پس اس میں فضیلت کیا اگر اچھا کام ہوتا تو منع ہی کیوں کیا جاتا۔ پیارے سے کہنا کیونکر ثابت ہو۔ لہجہ تو کہنے سے معلوم ہوتا ہے ممکن ہے ڈانٹ کر کہا ہو۔

اب رہا سکینہ تو وہ رسول پر نازل ہوا نہ ابوبکر پر۔ ایک موقع پر فرماتا ہے اس نے اپنا سکینہ رسول پر نازل کیا اور مومنین پر بھی جس طرح اس آیت میں مومنین پر نزولِ سکینہ کا ذکر ہے۔ اگر یہاں بھی ایسا ہی ہوتا تو ان پر بھی نزول سکینہ ہوتا

شب ہجرت علی کو فرش رسول پر کیوں سلایا گیا

حضرت علی کے سوا اور کسی صحابی کو آنحضرت نے شب ہجرت اپنے فرش پر کیوں نہ سلایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو آپ کو کسی اور پر اتنا اعتماد نہ تھا دوسرے علی سے بہتر کوئی آپ کا رازدار نہ تھا تیسرے اور کسی کے سلانے میں راز کے فاش ہونے کا اس لئے زیادہ اندیشہ تھا کہ جو نور جسم رسالت سے ساطع ہوتا تھا وہ سوائے علی کے اور کسی کے جسم سے نہ ہوتا تھا۔

آیہ ومن الناس من یشری کے متعلق چند باتیں

آیۂ ومن الناس من یشری الخ سے پہلے تین آیتیں قابل ذکر ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ٥ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ٥ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جس کی باتیں زندگانی دنیا میں تم کو اچھی معلوم

ہوتا ہیں۔ حالانکہ وہ دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیرے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور زراعت اور نسل کو برباد کر دے۔ حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو گناہ کرنے کی ہٹ دھرمی اس کے دل میں سما جاتی ہے پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے)

دیکھنا یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ کے بعد کتنے حاکم ہوئے اور ان میں کون کون ان صفات بد کے حامل تھے۔ ظاہر ہے کہ بعد رسالت میں آٹھ شخص ایسے تھے جنہوں نے بعد آنحضرتؐ حکومت پائی۔ چار تو خلفائے راشدین پانچویں امام حسنؑ چھٹے معاویہ ساتویں مروان بن الحکم۔ آٹھویں عبداللہ بن زبیر۔ ان میں عبداللہ بن زبیر تو حیات رسول میں ایک ہی سال کے تھے ان کی باتیں حضرت رسول خداؐ کو کیا پسند آتیں۔ دوسرے امام حسنؑ یہ بھی بچے ہی تھے۔ تیسرے معاویہ یہ حضرت ۲ھ میں جو سورۂ بقر کے نزول کا وقت ہے مسلمان بھی نہ ہوئے تھے اور آیہ و من الناس من یشری سورۂ بقر میں ہے اور یہ سورت کچھ مکہ میں آئی اور کچھ مدینہ میں۔ پس معاویہ سے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوا تھا اس آیت کا تعلق نہیں ہے اس کی باتوں کے پسند آنے سے رسول کو کیا تعلق۔ رہا مروان یہ بھی اس وقت مسلمان نہ تھا۔ پس اب خلفائے اربعہ باقی رہے ان میں سے حضرت علی کے متعلق تو آیۂ و من الناس من یشری موجود ہی ہے پس جو لوگ باقی رہے یہ آیت انہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔

اقسامِ وجود

وجود تین قسم کے ہیں اول ناقص دوسرے کامل تیسرے جس میں نقصان و کمال دونوں ہوں۔ کامل دو طرح کا ہوتا ہے اول بذاتہٖ کامل دوسرے خود کامل اور مکملِ غیر۔ حادث میں نقصان ہے واجب میں کمال۔ حادث اپنی ذات اور وجود میں صاحبِ کمال نہ تھا بعد میں کمال پیدا ہوا پس صفتِ علم سے عاری تھا اور بعد میں عالم ہوا پھر یہ علم اس کے ساتھ رہا پہلے سے نہ تھا بساطت میں تھا بعد میں علم اور ذات سے مرکب ہوا۔ خدا ایسا نہیں۔ حادث کی ذات میں چونکہ علم آیا لہذا معلوم ہوا کہ ذات بغیر علم اور علم بغیر ذات ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مرکب کا ہر جزو جدا جدا پایا جاتا ہے۔ ایک سونے کا انسان تو یہ سونا اور صورت دو چیز سے مرکب ہے لیکن اگر آپ صرف سونا دیکھنا چاہیں تو مادہ ہوگا۔ لیکن انسانی صورت نہ ہوگی۔ اگر آئینہ میں چہرہ آئے تو صورت ہوگی مادہ نہ ہوگا۔ پس جب یہ صورت ہے تو جس طرح شروع میں ذات بغیر علم تھی اسی طرح علم بھی بدون ذات ہوگا۔ یہی قدیم کی شان ہے کہ اس کے لئے کوئی جسم نہیں بلکہ اس کی ہر صفت عین ذات ہے جسے کسی مادہ کی ضرورت نہ وہ جوہر ہے نہ عرض ہے۔

لسان اللہ

زبان تمام اعضاء کی حقانی مشتاق ہے پیر میں درد ہو یا ہاتھ میں بیان کرنے والی زبان ہے۔ ہر کسی کا درد دکھ بیان کرتی

ہے۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو تمام اعضا خاموش مگر زبان اظہار کرتی ہے۔ ملم اس کو ہر ایک کے متعلق ہے کوئی عضو اس کی قائم مقامی نہیں کر سکتا۔ زبان اپنا درد کسی سے بیان نہیں کراتی۔

وجہ اللہ

چہرہ انسان کے دل کا ترجمان ہے جو حالت دل پر گزرتی ہے چہرہ سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اللہ نے کچھ چہرے ایسے بنائے ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا کن سے خوش ہے اور کن سے ناخوش۔

رسول کی دعوت کس شان کی تھی

وَادْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (اے رسول تم لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے بلاؤ اور مجادلہ لوگوں سے بطریق احسن کرو)

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلیٰ بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (اے رسول کہدو کہ میں اور جو میرا تابع ہے وہ تم کو اللہ کی طرف عقلی دلائل کی روشنی میں بلاتے ہیں)

اسلام میں اندھی تقلید کی ممانعت ہے۔ یہ طریقہ کافروں کا تھا وہ کہا کرتے تھے اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلیٰ اُمَّۃٍ وَاِنَّا عَلیٰ آثَارِھِمْ مُھْتَدُوْنَ (ہم نے اپنے آباو اجداد کو ایک گروہ پر پایا تھا پس ہم بھی انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں) ان لوگوں کی حالت کے متعلق قرآن کہتا ہے لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ (ان کے دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں یہ تو جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہ بہت غافل لوگ ہیں)

کتاب خدا کی قسمیں

خدا کی کتابیں دو ہیں ایک کتاب فعلی یعنی کائنات دوسری کتاب قولی یعنی قرآن اور یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے مقام پر ہر حیثیت سے مکمل ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ ہر شے اس کے اندر ہے لہذا رسول وہی ہونا چاہیئے جو سب باتوں کا علم رکھتا ہو اور بعد پیغمبر جس کو قرآن پہنچے وہ بھی ایسا ہی ہو اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ (یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ تم کو اس کے ذریعہ سے میں بھی ڈراؤں اور وہ بھی ڈرائے جس کو میرے بعد یہ قرآن پہنچے) اور وہ کون ہیں؟ رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

کائنات خدا کی کتاب فعلی ہے قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلیٰ یَوْمِ الْبَعْثِ۔ وقت حساب وکتاب وہ لوگ جن کو علم وایمان خدا کی طرف سے دیا گیا ہے لوگوں سے کہیں گے تم لوگ روز قیامت تک کتاب خدا

ہیں دے) پس رسول اور جانشین رسول وہ ہے جو کائنات کا پورا پورا علم رکھتا ہو۔

شافعی کے اشعار

اِلیٰ مَا اَلُوم وحتیٰ متیٰ ۔ اُعاتِبُ فِی حُبِّ ھٰذا الفتیٰ
وھل زُوِّجت فاطمُ غیرہٗ ۔ وَفی غیرہٖ ھل اتیٰ ھل اتیٰ

لوگ کب تک اور کہاں تک مجھے اس جوان کی محبت کے بارہ میں ملامت کریں گے۔ کیا فاطمہ کا شوہر کوئی اور ہے؟ کیا ان کے سوا کسی اور کی شان میں سورۂ ہل اتیٰ نازل ہوئی ہے۔

پہاڑوں کا مرتبہ

حضرت موسیٰ کو نبوت ملی۔ حضرت محمد مصطفیٰ غار حراہی میں مبعوث ہوئے سب سے پہلے سورۂ اقرأ یہیں نازل ہوئی۔ ناقۂ صالح پہاڑ ہی سے نکلا۔ پہاڑ بڑے مرتبہ شناسِ نبوت ہیں۔ جناب موسیٰ نے عصا مارا تو چشمے پھوٹ نکلے۔ اصحابِ کہف نے وہیں پناہ لی۔ ان کے ساتھ کتا بھی یار غار بنا ہوا تھا مگر واہ کتنا وفادار و حق شناس کہ نہ رویا نہ گھبرایا خاموشی سے دروازہ پر پڑا رہا۔ نوح کی کشتی پہاڑ ہی پر رکی۔ لیکن یہی پہاڑ معرفت سے خالی لوگوں کو نااہل بھی بنا دیتے ہیں پسر نوح کی مثال موجود ہے بھیڑ بکری پہاڑ پر چڑھیں یا کودتی پھریں تو کوئی فضیلت نہیں۔ بے معرفت انسان تو انسانیت کھو کر حیوانیت کا جامہ پہن لیتا ہے

ثلاثہ کا ذکر اللہ کو ناپسند ہے

لاتقولوا ثلاثۃ (تین کا تو نام ہی نہ لو)

خلیفہ کی تحقیق

خلیفہ کا لفظ قرآن میں بہت سے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ جس طرح حقیقی جانشینوں کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح ناخلف جانشینوں کے لئے بھی آیا ہے فخلف من بعدھم خلفٌ اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیّاً (اور ان کے بعد (انبیاء و صالحین) کچھ اور ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نمازوں کو کھویا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑ گئے۔ عنقریب یہ لوگ اپنی گمراہی کا مزہ چکھیں گے) اور حقیقی جانشین کے بارہ میں یہ آیت اخلفنی فی قومی واصلح (حضرت موسیٰ نے جناب ہارون سے کہا تم میری قوم میں میرے جانشین بنو اور ان کی اصلاح کرو۔

خلیفہ کا لفظ صرف بادشاہ ہی کے لئے مخصوص نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ مرنے کے بعد جو جانشین ہو اسی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

خدا نے جو اپنے خاص بندوں انبیا کو خلیفہ کہا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کس کے جانشین ہیں؟ حضرت آدم نہ خدا کے بیٹے ہیں کہ بلحاظ ابنیت باپ کے خلیفہ کہلاتے نہ وہ وراثتہً خلیفہ ہوئے ہیں کیونکہ وہ اول بشر ہیں۔ نہ ان کو کسی اقلیم کی بادشاہت ملی۔

قصۂ آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنا بڑا عہدہ تھا کہ ملائکہ بھی اس کے پانے کی اہلیت نہ رکھتے تھے نہ اس خلافت میں اجماع کارآمد ہوا نہ شوریٰ اور نہ یہ خلافت غلبہ سے حضرت آدم کو حاصل ہوئی تھی۔ پس حضرت آدم کس معنی میں خلیفہ تھے؟ خلیفہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کوئی کسی کی جگہ پر کام کرے۔ پس معلوم ہوا کہ آدم کسی کار خاص میں خدا کی زمین پر اس کے قائم مقام ہیں۔ آدم نہ بادشاہ تھے نہ حکمران نہ صاحب ملک و مال پھر خدا نے ان کو کونسی چیز دی تھی جس سے وہ اس عہدہ جلیل کے مستحق ہوئے۔

دیکھنا یہ ہے کہ خداوند عالم کی وہ کیا خاص ملکیت ہے جو بلا اشتراک غیرے صرف اسی کو حاصل ہے وہ اس کی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ ہیں پس اگر ان صفات میں سے آدم کو کچھ عطا کر دے تو وہ خدا کے جانشین و خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ خدا نے اپنے صفاتِ کمال سے کچھ دیا یا نہیں۔ اصولِ کمالاتِ چار ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ۔ حیات بغیر علم غیر معقول حی غیر عالم غیر متصور قدرت بلا ارادہ فضول، اس لئے تمام اصولِ کمالات کو علم و قدرت کی طرف راجع کر سکتے ہیں۔ علم مقدم ہے اور تمام تصرفات علم پر موقوف ہیں۔ چنانچہ آدم اور ملائکہ کے درمیان اسی علم میں مقابلہ ہوا۔ تقدیس و تسبیح سے ملائکہ نے افضلیت چاہی مگر خدا نے جواب میں فرمایا میں علیم ازلی ہوں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے صرف تسبیح و تقدیس سے استحقاق خلافت ثابت نہیں ہوتا۔ خدا نے آدم کو علم کی تعلیم دی اسی لئے وہ خدا کے خلیفہ کہلائے کیونکہ خلیفہ وہی ہے جو اس کی صفات سے متصف اور کمالات کا آئینہ ہو۔ پس اب یہ واضح ہو گیا کہ معیار خلافتِ الہیّہ علم ہے۔ جو علم میں افضل ہے وہ سب سے افضل ہے اور دوسروں کا مطاع ہے۔ جاہل کبھی خلیفہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خلافت نام ہے توارث صفات کا۔ آدم کے خلیفہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ متصف بادصافِ خداوندی اور مظہر کمالات الہی تھے۔ یہی خلافت الہیّہ ہے۔ خدا مادی و جسمانی نہیں کہ کوئی اسے دیکھ کر پہچان سکے بلکہ انہی ہستیوں سے وہ پہچانا گیا ہے جو اس کے کمالات کا نمونہ تھیں۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے اِنَّ اللّٰہ خلقَ اٰدمَ علٰی صورتہٖ کیونکہ خدا کی کوئی صورت نہیں جس کو مخلوق دیکھے اور پہچان سکے۔ لہٰذا اپنی صورت کمال کا نمونہ آدم کو بنایا۔

رسول صفات الہیّہ کا مظہر ہوتا ہے

اللہ	رسول
(۱) صفت رحمت۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	وَمَا اَرسلناکَ اِلَّا رَحمۃً للعالمین

(۲) رؤف و رحیم ہے

(۳) نور ہے۔ اللہ نور السمٰوات والارض الخ

(۴) برہانِ کل ہے

(۵) داعی الی الحق ہے۔

(۶) خدا ہادی ہے ویھدی من یشاءُ الیٰ صراطٍ مستقیم

(۷) خدا صراطِ مستقیم پر ہے اِنَّ ربی علیٰ صراطٍ مستقیم

(۸) خدا علیم و حکیم ہے

(۹) شہید ہے۔ اِنَّ اللہ علیٰ کلِّ شیءٍ شھید

(۱۰) خدا بصیر اعمال ناس ہے اِنَّ اللہ لبصیر بالعباد

(۱۱) ولی ہے۔ انما ولیکم اللہ

(۱۲) نفس خلق و عینِ خلق ہے

لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم وبالمومنین رؤف رحیم ۵

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔

قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا ۵

انک لتھدی الیٰ صراطٍ مستقیم

انک لمن المرسلین علیٰ صراطٍ مستقیم

نبی صاحب علم و حکمت ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ

ویکون الرسول علیکم شھیدا

اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون

انما ولیکم اللہ ورسولہ

انک لعلیٰ خلقٍ عظیم

خدا کا جانشین وہی ہوگا جس میں خدا کی سی صفات ہوں۔ رسول بمنزلہ آلات عمالہ الہی ہے اس سے خدائی افعال سرزد ہوتے ہیں۔ خدا چشم محمد سے دیکھتا اور گوش محمد سے سنتا ہے محمد کے افعال خدا کے افعال ہیں ما رمیت اذ رمیت لکن اللہ رمیٰ۔

رسول کی تمام تعلیم خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے علّمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی (اللہ نے مجھے تعلیم دی اور بہت اچھی تعلیم دی خدا نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔

نبی و علی کی مشترکہ صفات

رسول

(۱) نبی نور ہیں قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔

(۲) دونوں کی اصل ایک ہے۔ وفی الارض قطعٌ متجاورات وجنات من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقیٰ بماءٍ واحد

(۳) رسول رحیم ہیں۔ وبالمومنین رؤف رحیم

علی

علی نور ہیں انا و علی من نورٍ واحد

الناس من اشجار شتیٰ وانا و علی من شجرٍ واحد (فرمایا حضرت رسول خدا نے لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک درخت سے ہیں۔

والذین معہ اشداءُ علی الکفار رحماءُ بینھم

(۴) داعی الی الحق ہیں داعیاً الی اللہ باذنہٖ وسراجاً منیرا۔

وَلتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

(۵) ولی ہیں۔ انما ولیکم ورسولہٗ

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین یقیمون الصلوٰۃ الخ

آیۂ انما ولیکم اللہ .... ھم راکعون میں رکوع کے ایک خاص معنی ہیں۔ رکوع ظاہر مراد نہیں۔ خدا فرماتا ہے یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین (اے مریم دعا کر اپنے رب سے اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ) بلا سجدہ راکعین کے ساتھ رکوع کرنا بے معنی ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون (جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ نہیں کرتے) کیا اس سے رکوع نماز مراد ہے؟ ہرگز نہیں۔

رکوع درحقیقت ایک خاص حالت کا نام ہے یہاں بطور تشبیہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نماز کی تین حالتیں ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، قیام حالت استقامت ہے۔ سجدہ کمال فنا و عجز و انکسار و تواضع اور رکوع حالتِ وسط ہے۔ اسی طرح انسان کی تین حالتیں ہیں ایک حالتِ استقامتِ ذاتیہ ہے ایک حالتِ سجدہ یعنی مقامِ فنائے مطلق کہ انسان اپنے وجود سے بالکل غافل ہوتا ہے اور خدا کی طرف بالکلیہ مائل۔ ایک حالتِ رکوع ہے جو نہ استقامتِ ذاتیہ ہے نہ فنائے مطلق بلکہ درمیانی حالت ہے پس راکعین ایک جماعتِ خاص ہے جو واسطہ ہیں درمیان خالق و مخلوق کے۔ خدا سے لیتے ہیں اور بندوں کو دیتے ہیں وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس۔ یہی مراد ہے طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود سے یہ راکعین وساجدین ذریت ابراہیم سے ہیں۔

(۶) صراط مستقیم انک لمن المرسلین علیٰ صراطٍ مستقیم

ھذا صراط علیّ (علیٌّ) مستقیم
ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہٖ

یہ صراط علی اور اولاد علی ہے۔ صراط علی صراط نبی اور صراط نبی صراطِ خدا ہے۔

(۷) رسول شہید علی الخلق ہیں

علی شہید علی الخلق ہیں وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔

امت وسط سے مراد اہلبیت ہیں۔ تمام امت کیسے شہید بن سکتی ہے۔ خود اہل اسلام کی ان کے ذاتی معاملات میں شہادت مقبول نہیں ثبوت مدعا میں دو شاہدوں کی ضرورت ہے بلکہ بعض میں چار کی۔ شاہد و شہید میں بہت بڑا فرق ہے جو شاہد نہیں بن سکتے وہ شہید کیا بنیں گے۔

(۸) نبی عمل خلق کے دیکھنے والے ہیں

علی بھی عمل خلق کے دیکھنے والے ہیں۔
اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون

(۹) نبی کی طرح علی بھی اُذنِ واعیہ ہیں تعیہا اُذن واعیہ۔ تفسیر ثعلبی میں ہے کہ رسول نے فرمایا اے علی یہ تمہارا کان وہ کان ہے لا تشتبہ علیہ الاصوات جس پر آوازیں مشتبہ نہیں ہو سکتیں۔

(۱۰) علی و نبی دونوں علم میں شریک ہیں انا مدینۃ العلم و علی بابہا

(۱۱) نبی کی طرح علی بھی مطاع خلق ہیں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

قرآن کو پارہ پارہ کرنے والے

سورہ الحجر و قل انی انا النذیر المبین کما انزلنا علی المقتسمین الذین جعلوا القرآن عضین (اے رسول کہہ دو کہ میں نذیر مبین ہوں ہم نے یہ قرآن تم پر اسی طرح نازل کیا ہے جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا جو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے تھے اور جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے پارہ پارہ کرنے والے کون حضرت تھے۔

لڑکیوں کا ورثہ میں حصہ

وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیباً مفروضاً (لڑکیوں کے لئے حصہ ہے اس چیز میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں کم ہو یا زیادہ اس میں ایک معین حصہ ہے) جاہلیت میں لڑکیوں کو حصہ نہ دیتے تھے اسی لئے حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ کو محروم کیا۔ افسوس رسول زادی کے معاملہ میں رسم جاہلیت کو تازہ کیا گیا۔

کتاب خدا آل محمد کو دی گئی

وکذلک انزلنا الیک الکتاب فالذین اتیناھم الکتاب یؤمنون بہ ومن ھؤلاء من یؤمن بہ۔ تفسیر قمی میں ہے خدا نے جس پر کتاب نازل فرمائی وہ رسول ہیں اور جن کے لئے نازل فرمائی وہ آل محمد ہیں۔

حکایت حضرت ابراہیم

جب بمصداق آیہ وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض الخ خدا نے جناب ابراہیم کی نظر کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے تو آپ نے ایک مرد و ایک عورت کو بدکاری میں مبتلا دیکھا آپ نے ان کی ہلاکت کے لئے بددعا کی خدا نے دونوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد پھر اور دو کو دیکھا ان کی ہلاکت کے لئے بھی بددعا کی وہ بھی ہلاک ہوئے پھر اور دو کے لئے بددعا کی پس خدا نے وحی کی اے ابراہیم اپنی دعا کو روکو میں غفور و رحیم اور حلیم و کریم ہوں مجھے بندوں کے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتے جیسے ان کی اطاعت کچھ نفع نہیں بخشتی۔ میں غصہ سے اس طرح سیاست نہیں کرتا جیسی تم کرتے ہو۔ تم اب ایسی دعا نہ کرنا

تم میرے عبد نذیر ہو میری مملکت میں شریک نہیں نہ تم میرے بندوں پر نگراں ہو۔ اگر یہ مجھ سے توبہ کریں گے تو میں بخش دونگا اور ان کے عیب چھپالوں گا میں ان کو عذاب سے روکتا ہوں کیونکہ اس کا جاننے والا میں ہی ہوں کہ ان کے اصلاب سے کتنے مومن پیدا ہونے والے ہیں۔

ولادتِ انبیا اور ائمہ کا تعلق عالم امری سے ہے

انبیا علیہم السلام کی روح عام لوگوں کی روح سے بالاتر ہے اسی لئے اُن کے کمالات فوق کمالاتِ انسانی اور ان کے تصرفات اکثر و بیشتر خرق عادات ہوتے ہیں۔ ولایت انبیاء علیہم السلام باقتضائے حکمتِ الٰہی بطور اعجاز و کرامت ہوتی ہے۔

حضرت آدم کی ولادت بطریق خاص ہوئی یعنی بدوں ماں اور باپ۔

حضرت ابراہیم کے متعلق کتب تواریخ میں درج ہے کہ جب نمرود نے یہ حکم دیا کہ مرد عورتوں سے جدا کر دیئے جائیں اور اگر کسی کے لڑکا پیدا ہو تو ہلاک کر دیا جائے تو نطفۂ جناب ابراہیم خاص قصر نمرود ہی میں سات ڈیوڑھیوں کے اندر اسی کی خوابگاہ کے پاس قرار پایا۔ جناب تارخ والد حضرت ابراہیم نمرود کے اردلی تھے اور شب کو شمشیر بکف ہو کر اس کی حفاظت کیا کرتے تھے جب نور خلیل کے ظہور و نزول کا وقت آیا تو خدا نے آپ کی والدہ ماجدہ کو وہیں پہنچا دیا۔ اور وہ گوہر یکتا صدف طیب و طاہر میں رکھا گیا۔ پھر حمل نمایاں ہوا۔ بعد ولادت ان کی والدہ غار میں رکھ آئیں جہاں کوئی کھانا نہ تھا اپنے انگوٹھے چوس کر پرورش پاتے رہے جب موقع ملتا جا کر دیکھ آتیں۔ نشوونما بھی خلافِ عادتِ عوام تھی ایک دن میں اتنے بڑھتے تھے جتنے اور بچے ایک ہفتہ میں اور ایک ہفتہ میں اتنا جتنے اور بچے ایک ماہ میں اور ایک ماہ میں اتنا جتنے اور بچے ایک سال میں۔ پندرہ ماہ کی مدت میں جوانِ رعنا اور رشید تھے وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ (ہم نے قبل سِن رشد عقل و فہم اکمل عطا کر دی اور ہم اس کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔)

۳۔ حضرت اسحاق کی ولادت کی جب حضرت ابراہیم کو بشارت دی گئی تو آپ کا اور حضرت سارہ کا سِن توالد و تناسل کی حد سے گزر چکا تھا۔ جناب ابراہیم کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور جناب سارہ کی نوّے سال کی ہو چکی تھی حضرت سارہ کو جب فرشتہ نے ولادتِ اسحاق کی بشارت دی تو ان کو سخت تعجب ہوا اور کہنے لگیں کیا اب میں بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا۔ فرشتوں نے کہا کیا تم امرِ خدا سے تعجب کرتی ہو۔ حالانکہ اے اہلبیت تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہوتی رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسب ارشادِ الٰہی عالم خلق اور عالم امر جدا جدا ہیں۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ خلقت عالم امری آنی ہوتی ہے مادی تدریج اور اسباب مادیہ خارجیہ کو یہاں دخل نہیں ہوتا اور امر الٰہی یہ ہے إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (اس کا امر یہ ہے کہ جب اس نے کسی شے کا ارادہ کیا پس اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے)

(۴) حضرت موسیٰ کی ولادت بھی اسی طرح ہوئی۔ فرعونی سختیوں کی بناء پر پوشیدہ حمل قائم ہوا اور آثار حمل بالکل ظاہر نہ ہوئے اور جب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ ڈریں کہ فرعون کو خبر ہو جائے گی تو قتل کرا دے گا۔ حضرت موسیٰ نے خود تکلم کیا اور تسلی دی۔ پھر آپ کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی اور سوائے اپنی والدہ کے اور کسی کا دودھ نہ پیا اور نشو و نما بھی خلافِ معمول ہوئی۔

(۵) حضرت یحییٰ کی ولادت بھی اسی طرح ہوئی۔ جب حضرت زکریا کو بشارت دی گئی تو انہوں نے عرض کیا پروردگارا میرے یہاں لڑکا کیونکر ہوگا۔ حالانکہ میری عورت بانجھ ہے اور میں انتہائے پیری کو پہنچ گیا ہوں۔ ارشاد ہوا ہاں ایسا ہی ہے۔ لیکن تمہارے پروردگار پر آسان ہے۔ بانجھ عورت اور عقیم مرد کے لئے بچہ پیدا کرنا ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں۔

(۶) حضرت عیسیٰ کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ آیاتِ قرآنی سے واضح ہے کہ جناب عیسیٰ کی خلقت میں مادہ جسمانی کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کا رسول ہے اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کو القا کیا اور اس کی روح ہے ان حضرات کے جسمانی مادے کثافتِ مادی ارضی سے بالکل پاک و صاف ہوتے ہیں۔ سن توالد و تناسل سے گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا کے اولاد ہونا اسی طرف اشارہ ہے کہ ان بزرگواروں کا مادہ کثیف نہ تھا بلکہ وہ نورانی و طیب تھا جو عالمِ عرش سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جسمِ بشری سے مع لباس و نعلین عرش پر پہنچ گئے (یہ کمالِ لطافت و نورانیت کا مرتبہ ہے) ورنہ اگر ان کے مادہ کا تعلق اس عالمِ انوار سے نہ ہوتا اور مرکز اس کا عرشِ الٰہی نہ ہوتا تو وہاں تک پہنچنا ممکن ہی نہ تھا جہاں جبرئیل امین جیسے مقرب فرشتے یہ فرمائیں لو دنوت انملة لاحترقت (اگر میں ایک انگلی کی برابر آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا) نورِ محمدی میں یہ طاقت تھی کہ ان انوار اور ان تجلیات کے متحمل ہو سکیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جناب عیسیٰ بن مریم اپنے اسی جسم بشری سے چرخ چہارم پر زندہ اور موجود ہیں اور اسی جسم سے وہاں پہنچے اگر ان کا مادہ بھی یہی مادہ ارضی ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اور یہی سبب تھا کہ آتشِ نمرودی نے حضرت ابراہیم کے جسم پر اثر نہ کیا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ تنور میں زندہ رہے اور آگ سے کھیلتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تین دن صندوق میں بند رہے اور پھر زندہ رہے۔ پھر محلِ فرعون میں کسی کا دودھ نہ پیا اور بے غذا کے زندہ رہے۔ جناب ابراہیم انگوٹھے چوس کر زندہ رہے یہ تمام اثرات روح قدس نبوتی کے ہیں۔ چونکہ انبیاء کی خلقت عالم روحانی اور ملکوتی سے ہوتی ہے۔ اس لئے عالم سفلی کی کوئی چیز ان پر غالب نہیں آسکتی مگر ان کے ارادہ و اختیار سے۔ اسی بناء پر خلقت کے تمام قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور ان کی روحانیت ایسی قوی ہوتی ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی کلام کر سکتے ہیں ہر شے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ الیس نبی ولو کان صبیا

(۷) چونکہ رحمت و برکتِ الٰہی خاندانِ نبوت و رسالت کے لئے ہے اور ہم ثابت کر چکے کہ ہر نبی کا تعلق عالم امری سے ہوتا ہے لہذا خاتم الانبیا کیونکر اس سے جدا ہو سکتے ہیں۔ آپ کی ولادت کے وقت بھی بہت سے خوارق عادات ظاہر ہوئے۔ جب نطفۂ نورانیہ رحم مادرِ گرامی میں قائم ہوا تو والدہ ماجدہ کی پیشانی سے ہمیشہ ایک نور ساطع رہتا تھا اور شکم سے

تسبیح و تہلیل کی آواز سنی جاتی تھی جب ولادت باسعادت ہوئی تو وہ نور ساطع ہوا کہ ملک شام کے قصر تک مکہ سے دکھائی دینے لگے اور آواز آئی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ بعد ولادت آپ نے کلام کیا اور سب سے پہلا کلمہ یہ تھا اللہ اکبر کثیراً والحمد للہ کثیراً۔

نبی بچپن میں بھی نبی ہوتا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا حضرت عیسیٰ اس وقت اپنے اہلِ زمانہ پر نبی اور حجت تھے جب انہوں نے گہوارہ میں تکلم کیا تھا فرمایا ہاں مگر تبلیغ پر مامور نہ ہوئے تھے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ انہوں نے فرمایا انی عبد اللہ آتانیَ الکتاب وجعلنی نبیاً (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) وہ اس وقت حجت تھے ان لوگوں پر جنہوں نے ان کا کلام سنا پھر خاموش ہو گئے اور دو سال تک کلام نہ کیا۔ ان دو سال میں حضرت یحییٰ لوگوں پر حجت رہے در آنحالیکہ وہ بچہ تھے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے یا یحییٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (اے یحییٰ کتاب کو لو اور ہم نے ان کو بچپن ہی میں روحانی حکومت دی) جب حضرت عیسیٰ سات سال کے ہو گئے تو بحکمِ الٰہی انہوں نے نبوت کو ظاہر کیا اور اس وقت جناب عیسیٰ حضرت یحییٰ پر بھی حجت تھے۔

حضرت رسولخدا فرماتے ہیں اگر ضرورت و مصلحت الٰہی ہوتی تو میں بھی حضرت عیسیٰ کی طرح روز ولادت ہی اپنی نبوت کا اظہار کر دیتا۔ ایک بار ایک یہودی نے آپ سے سوال کیا کہ اے محمدؐ کیا تم ام الکتاب میں قبل خلقت نبی تھے۔ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا پھر تم نے عیسیٰ بن مریم کی طرح شکمِ مادر سے نکل کر حکمت کی باتیں کیوں نہ کیں فرمایا میرا معاملہ عیسیٰ جیسا نہ تھا وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے تھے جس طرح آدم بلا ماں اور باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اگر حضرت عیسیٰ بعد ولادت کلام نہ فرماتے تو ان کی والدہ کو لوگوں کے مقابل کوئی عذر نہ ہوتا جبکہ وہ بلا شوہر کے بچہ پیدا کر چکی تھیں۔ اس وقت کے تکلم سے ان کی تہمت رفع ہوئی

نبوت کی تعریف

علامہ طبرسی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں والنبیُّ الذی لہٗ الرِّفعۃ والدرجۃُ العظیمہ (نبی وہ ہے جس کے لئے رفعت اور درجۂ عظیمہ ہے) جناب صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں النبوۃ لفظ مَاخوذ مِنَ النَّبْوَۃِ وَھُوَ مَا ارتفع مِنَ الارض۔ (لفظ نبوت ماخوذ ہے لفظ نَبْوَتْ سے جس کے معنی ہیں بلند زمین کے) نبی نبا بمعنی خبر سے ماخوذ نہیں ورنہ بہت سے انبیاء خارج ہو جائیں گے کیونکہ بہت سے انبیاء ایسے ہوئے ہیں جو صرف اپنے نفس ہی پر نبی تھے اور مامور بہ تبلیغ نہ تھے۔ مامور بہ تبلیغ کل تین سو تیرہ ہوئے ہیں جو مرسل کہلاتے ہیں۔

لوگوں نے معرفت نبی میں صورت نوعی سے دھوکہ کھایا

نبی چونکہ شکل و صورت میں انسان ہوتا ہے اس لئے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہم ہی جیسا ہے لہذا نہ واجب الطاعت ہے نہ واجب التعظیم اس کی حکایت قرآن میں چند جگہ ہے

وقال الذین کفروا من قومہ ما نراک الا بشراً مثلنا وما نراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا وما نریٰ لکم علینا من فضلٍ بل نظنکم کاذبین (کافروں نے اپنے نبی سے کہا ہم تمہیں اپنا ہی جیسا انسان دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ رذیل لوگ تمہارا اتباع کر رہے ہیں اور ہم کوئی فضیلت تمہاری اپنے اوپر نہیں پاتے۔ ہم تو تمہیں جھوٹا گمان کرتے ہیں۔)

سورۂ مومن۔ انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدین یعنی قوم فرعون نے کہا کیا ہم دونوں بشروں (موسیٰ و ہارون) پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم تو ہماری عبادت کرتی ہے)

ایک اور مقام پر ہے ما ھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون ولیشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشراً مثلکم انکم اذاً لخاسرون (یہ تو تم ہی جیسے لوگ ہیں وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے لوگوں کی اطاعت کی تو تم نقصان میں رہو گے)

ایک اور جگہ ہے ما انت الا بشر مثلنا فاتِ بآیۃٍ ان کنت من الصادقین۔

یہ وہی نسبت اولیہ ہے جس کی بنا پر منکر اول ابلیس نے ڈالی تھی اور اسی بنا پر حضرت آدم کی تعظیم سے انکار کیا تھا۔

امامت کی خاص شان

حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا گیا ہے انی جاعلک للناس اماماً۔ امام بننے کے بعد حضرت ابراہیم حسب ذیل خصوصیات کے حامل ہوئے۔

(۱) اُن لوگوں پر امام قرار دیئے گئے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے بلکہ عالم دہری، برزخی و عالم ارواح ہی میں تھے اور ان کے زمانہ میں پیدا ہونے والے بھی نہ تھے۔ تا روز قیامت جتنے پیدا ہونے والے تھے ان سب پر امام بنائے گئے جس سے معلوم ہوا کہ تقدم فی الوجود امام کے لئے ضروری ہے۔

(۲) آپ کو باطن زمین و آسمان کا علم دیا گیا وکذٰلک نُری ابراہیم ملکوت السمٰوات والارض۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کے لئے ماموین پر احاطہ علمی ضروری ہے۔ ظواہر نہیں بلکہ بواطن سے واقفیت ضروری ہے۔

(۳) جب جناب ابراہیم نے لوگوں کو حج بیت اللہ کے لئے آواز دی تو ہر آدمی کے کان تک آپ کی آواز پہنچی بلکہ ان نطفوں تک نے سُن لی جو شکمِ مادر یا صُلب پدر میں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی قدرت کا تعلق تمام ماموین سے ہوتا

ہے کیونکہ وہ ریاست عامہ مطلقہ رکھتا ہے۔

(۴) مذکورہ بالا امور سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ محض قدرت ہی نہیں بلکہ قدرت مع التاثیر ہے یعنی تصرف اور پورا پورا القدرت حضرت ابراہیم کی آواز تمام انسانوں کو پہنچی۔ اور پھر قبول کرنے والوں نے فوراً اس پر لبیک کہا لہٰذا قدرت کے ساتھ حکم بھی ضرور ہوا پس اب امامت کی تعریف یوں ہوئی الامامۃ ریاسۃ عامۃ من حیث التقدم والعلم والقدرۃ والحکم اگر یہ تعریف کی جائے الامامۃ ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابۃ عن النبی تو یہ صحیح نہیں کیونکہ جو امام نائب نبی نہیں مثلاً حضرت ابراہیم تو وہ اس تعریفِ امامت سے خارج ہو جائیں گے اور اگر اس سے مراد خلافتِ نبی ہو تو بھی یہی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ خلفائے نبی میں ایسا کون ہے جس کو ریاست عامہ حاصل ہو بلکہ کل عرب پر بھی بلکہ کل مکہ اور مدینہ پر بھی نہیں ہوئی۔ خلفائے نبی سے بنی ہاشم ہمیشہ الگ رہے۔ اگر امامت سے مراد حکومتِ دنیا اور سلطنت ظاہری مراد لی جائے تو حضرت علی کو بھی ریاست عامہ مطلقہ نہیں ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت و امامت دو جداگانہ مفہوم ہیں اور ایک کا حمل دوسرے پر صحیح نہیں۔ پس خلافتِ نبی پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اور ہرگز وہ خلفا اس کے مستحق نہیں جو چند دنوں کے لئے عرب کے چند علاقوں پر حکمراں ہو گئے تھے بلکہ یہ ریاست عامہ اس کو حاصل ہو سکتی ہے جو تمام ماموین سے پہلے موجود ہو اور تقدم فی الوجود رکھتا ہو اور سب پر احاطہ علمی رکھتا ہو سب پر قادر اور حاکم و متصرف ہو۔ امامتِ ابراہیمی کے اول وارث حضرت رسولخدا ہیں بعد ازاں آپ کی عترت۔ حکومتِ ظاہری کو اصل امامت سے کوئی تعلق نہیں یہ ایک ادنیٰ جزو جزئیاتِ امامت سے ہے کیونکہ اگر حکومت ظاہری مابہ الامامت ہو تو حضرت ابراہیم تو کیا خود پیغمبر خدا بھی امام نہیں ٹھہرتے کیونکہ اس معنی میں ریاست عامہ ان کو بھی حاصل نہ تھی۔

تنزیہ حضرت آدمؑ

حکم خدا دو قسم کا ہوتا ہے واجب اور مندوب۔ پس حضرت آدم سے واجب کا ترک نہیں ہوا بلکہ مندوب کا ترک ہوا۔ اگر اس درخت سے نہ کھاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ یہی ترک اولیٰ ہے یعنی الانسب والاولیٰ کو ترک کیا گیا۔ شیطان ایک مرد بزرگ کی صورت میں حضرت کے سامنے آیا تھا اور خدا کی قسم کھا کر کہا تھا۔ اسم اعظم الٰہی کی تعظیم کی وجہ سے حضرت کو اس کی بات کا یقین آگیا کیونکہ اول تو خدا کی قسم کھائی تھی اور اس سے قبل کسی نے خدا کی جھوٹی قسم کھائی نہ تھی۔ دوسرے وہ مقام دار الآخرت اور دار الحیات تھا جہاں فوراً نیکی اور بدی کا بدلہ ملتا ہے اور شیطان کے اوپر جھوٹ کا کوئی اثر نہ دیکھا تھا اس لئے یقین آگیا تھا اور جھوٹ کا اثر اس لئے نہ ہوا تھا کہ وہ ملعون پہلے ہی قیامت تک کے لئے عذاب سے امان کی مہلت مانگ چکا تھا۔ شیطان کی یہ چال چل گئی اور حضرت آدم کا قدم ڈگمگا دیا۔ فازلہما الشیطان عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ۔ ظاہر ہے کہ پھسلنے کی صورت میں گرنے والے کا کوئی قصور نہیں ہوتا اور اس کو کوئی برا نہیں کہتا بلکہ دھکا دینے والے کو برا کہا جاتا ہے۔

آیۂ لقد عہدنا الیٰ آدم فنسی ولم نجد لہ عزماً (ہم نے آدم سے عہد لیا پس اس نے اس کو ترک کیا اور ہم نے اس

کو صاحب عزم نہ پایا) یہاں نسیٔ کے معنی بھول لنے کے نہیں بلکہ ترک کرنے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت آدم نے کوئی امر خلافِ شریعت نہیں کیا اور نہ شیطان کو شیطان سمجھ کر بہکانے میں آئے کیونکہ وہ اصلی صورت میں نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی قسم خدا کی وجہ سے کسی فعل کا مرتکب ہو جائے تو وہ گنہگار شمار نہ ہوگا نہ اس کو گناہ صغیرہ کہا جائے گا نہ کبیرہ۔ لیکن چونکہ حضرت آدم نبی تھے اور ان کو بلا واسطہ خدا کی طرف سے وحی ہوتی تھی وہ بلا واسطہ خدا سے دریافت کر سکتے تھے لہذا شایانِ شانِ نبوت نہ تھا کہ خدا سے بغیر دریافت کئے کھا لیتے۔ جس طرح ان کو بلا واسطہ خدا کی طرف سے نہی پہنچی تھی کہ اس درخت کے پاس نہ جانا اسی طرح جب شیطان نے یہ چال چلی تھی اور قسم کھائی تھی تو خدا سے دریافت کر لیتے۔ پس انہوں نے وہ چیز ترک کی جو ان کی شان کے لئے اولیٰ نہ تھی۔

یہ یاد رہے کہ ترک اولیٰ ان کی شان کی جہت سے ہے ورنہ ہمارے لئے تو ترک اولیٰ بھی نہیں کیونکہ قسم اسم الٰہی سے حجت تمام ہو چکی تھی۔ یہ تھی وہ لغزش جو حضرت آدم سے صادر ہوئی تھی ورنہ نبی سے نہ گناہ صغیرہ صادر ہوتے ہیں نہ کبیرہ نہ قبل بعثت اور نہ بعد بعثت۔

ترک اولیٰ کے یہی معنی ہیں کہ ان کی شان کے لئے جو انسب و اولیٰ ہوتا ہے وہ ان سے بعض اوقات ترک ہو جاتا ہے گو ہماری حالت کے لحاظ سے وہ کچھ بھی نہیں اور انہی امور کے ترک سے وہ استغفار کیا کرتے ہیں کہ خدا اپنی رحمت سے ہماری ان کمیوں کو ہمارے اعمالِ حسنہ کے برابر کر دے اور انہی امور کی وجہ سے توبہ کرتے ہیں یعنی نادم ہوتے ہیں کہ اگر ہم سے یہ اولیٰ بھی ترک نہ ہوتا تو ہم کو ایک اور مرتبہ حاصل ہوتا اور ثواب ملتا۔ یہاں سے معنی قول اِنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کے بخوبی سمجھ میں آتے ہیں یعنی ظلم کے معنی وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ کے ہیں؛ چونکہ اولیٰ کو اس کے مقام پر نہیں رکھا اور اس کو بجا نہیں لائے اس واسطے فرمایا کہ ہم نے نفوس پر ظلم کیا اگر اس کو بجا نہ لاتے تو یہ نقص وارد نہ ہوتا اور یہ اثر نہ دیکھتے جو کشف عورتین وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اسی سے تابَ عَلَیہِ کا مطلب حل ہو گیا کہ خدا نے ان کی توبہ قبول کی کیونکہ توبہ کے اصلی معنی اس فعل سے رجوع کرنا اور اس پر نادم ہونا ہیں خواہ وہ فعل کیسا ہی ہو اِن لَمْ تَغْفِرْ لَنَا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو ہمارے اس نقصان کو پورا نہ کرے گا جو ترک اولیٰ سے واقع ہو گیا ہے تو ہم کو خسارہ رہے گا۔

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کے بعد خدا نے برگزیدہ بنا لیا۔

فَعَصیٰ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی جہاں عصیاں کا لفظ بولا جائے وہاں یہ ضرور نہیں کہ گناہ ہی کے معنی لئے جائیں بلکہ اس کے منسوب الیہ اور مضاف الیہ اور قراین حالیہ و مقالیہ کو ملحوظ رکھ کر معنی لئے جائیں گے۔ عدم متابعت پر بھی یہ لفظ عصیاں بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ اختیاری ہو یا اضطراری۔ چونکہ حضرت آدم کا یہ فعل اس قصد سے نہ تھا کہ خدا کی مخالفت کریں بلکہ دھوکہ کھا جانے کی وجہ سے تھا لہذا اس کے معنی گناہ کے نہیں۔ پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آدم سے خدائی حکم کے بارہ میں ترک اولیٰ ہو گیا یا چوک ہو گئی۔ یہ ملحوظ رہے کہ حضرات انبیا چونکہ ترک اولیٰ کو بھی بمنزلۂ گناہ سمجھتے ہیں لہذا ان کی اس مخصوص حالت کے لحاظ سے عصیاں کا لفظ بولا گیا ورنہ عام لوگوں کے لحاظ سے اس کا شمار عصیاں میں نہیں۔ غویٰ کے معنی گمراہی کے نہیں بلکہ ناامیدی اور

ناکامی کے ہیں۔

حضرت آدم بہشت سے کیوں نکلے

نہ وہ گناہ کی وجہ سے نکلے گئے اور نہ ان کی اہانت کی گئی بلکہ یہ نتیجہ اور اثر تھا اس درخت کے پھل کھانے کا کیونکہ ایک شے کا اثر اور چیز ہے اور اس کی جزا و سزا اور چیز۔ اثر ضرور ہوتا ہے اور وہ لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتا لیکن جزا و سزا دوسری شرائط پر موقوف ہے۔ فرض کرو شراب ممنوع اور حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص زبردستی پلا دے تو پینے والا گنہگار تو نہ ہوگا لیکن شراب اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ یا فرض کرو ہم ایسے باغ میں ہوں جس میں جملہ سامانِ عیش موجود ہوں لیکن اس کا کوئی دروازہ نہ ہو یا اتنا بلند ہو کہ ہم پہنچ نہ سکتے ہوں اور اتفاق سے جب ہم اس کی فصیل پر ٹہل رہے ہوں کوئی شخص دھوکہ سے ہمارا پیر پھسلا دے اور ہم گر پڑیں تو ہرگز مستحق مذمت نہیں ہو سکتے لیکن باغ سے خارج ہونا اور اس کی نعمتوں سے محروم رہنا یہ ضروری امر ہے۔ پس حضرت آدم کا بہشت سے نکلنا از روئے عتاب نہ تھا بلکہ اس درخت سے کھانے کا اثر تھا جس طرح اور اثرات مثلاً کشف عورتین وغیرہ ظاہر ہوئے اس کا ظاہر ہونا بھی لازم تھا بہشت میں رہنا اس شرط پر موقوف تھا کہ وہ پھل نہ کھائیں۔ جب کھا لیا تو اب مصلحت ان کے بہشت میں رہنے کی نہ رہی اور وہ وقت آ گیا کہ وہ اپنے مقامِ خلافت پر جائیں کیونکہ وہ زمین ہی پر رہنے کے لئے بنائے گئے تھے پھر اُن کو زمین پر پہنچانا اہانت و عتاب کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت آدم مرتکب فعل قبیح ہوتے تو بمصداق آیۂ لاینالُ عھدی الظالمین کبھی خلیفۂ خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں میں سے قرار نہ پاتے۔ حضرت آدم کا ادنیٰ لغزش سے طلب مغفرت کرنا بالغرض اظہار عبودیت و کمال خضوع و خشوع تھا نہ ارتکابِ معصیت کے سبب سے کیونکہ یہ حضرات ادنیٰ لیس افتادگی کو بھی بسبب اپنی علوشان اور کمالِ معرفت معبود بڑا جانتے ہیں۔

حضرت آدم جنت میں کیوں رہے

حضرت کا ابتداءً جنت میں رہنا اس لئے تھا کہ وہ بندگانِ خدا کو ہدایت کریں اور اُس ابدی اور لازوال زندگی کا راستہ بتائیں جس کو دار السلام دار القرار یا جنت کہا جاتا ہے اور جو خلقتِ انسان کی غرض و غایت ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ابوالبشر کو اس میں جگہ دی گئی کہ اس کی سیر کریں اور اس کی نعمتوں سے ایک خاص وقت تک متلذذ ہوں اور علم الیقین سے گزر کر عین الیقین کا درجہ حاصل کریں تاکہ بندگانِ خدا سے اس کے چشم دید واقعات اور اس کی نعمتوں کا مفصل حال اور واقعی کیفیت نہایت آسانی سے بیان کر دیں اور سمجھا دیں کیونکہ کسی منزل کی صحیح راہ نمائی وہی کر سکتا ہے جس نے خود دیکھا ہو اور پھر فراق بہشت میں ان کی بے چینی اس کا مزید ثبوت ہے کہ بہشت واقعی ایسی چیز ہے کہ خدا کا برگزیدہ اور مخلص پیغمبر اس کے فراق میں ایسا بے چین اور بیقرار ہے۔ لہٰذا یہ خیال انسان کو اطاعتِ خدا سے زیادہ قریب کرنے والا ہے اور بندوں کو حصولِ جنت کا زیادہ شائق بنانے والا ہے

صدیق کون ہیں

موافق حدیث رسول صدیق تین ہیں اول حزقیل مومن آلِ فرعون جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا یا موسیٰ ان الملا یاتمرون بک لیقتلوک فاخرج منھا انی لک من الناصحین (اے موسیٰ یہ فرعونی گروہ تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہے بس تم یہاں سے چلے جاؤ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں) دوسرے حبیب النجار مومن آلِ یٰسین جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے فرستادہ لوگوں کے متعلق کہا تھا یا قوم اتبعوا المرسلین ٥ اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون (اے قوم مرسلین کا اتباع کرو اور اس کا اتباع کرو جو تم سے کسی اجر کو نہیں چاہتا اور وہ سب ہدایت یافتہ ہیں) یہ بزرگ ایک غار میں بیٹھے عبادتِ خدا کیا کرتے تھے جب اُن کو القا کیے ہیں رسولوں کی آمد کی خبر ملی تو اپنے دین کا اظہار فرمایا۔ تیسرے صدیق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابنِ حجر نے صواعق محرقہ میں جو کہ صرف شیعوں کے رد میں لکھی گئی ہے نہ فقط اس حدیث کو درج کیا ہے بلکہ اس کی صحت کو بھی قبول کیا ہے۔ حافظ سے کوئی اِس زمانہ کا اندھا حافظ نہ سمجھے بلکہ حافظ اس کو کہتے ہیں جس کو دس ہزار حدیثیں مع اسناد و رُوات و اسمائے رجال بقاعدۂ جرح و تعدیل برزبان ہوں۔ پس جب ایسے شخص نے تسلیم کر لیا کہ صدیق صرف تین ہیں تو پھر حضرت ابوبکر کیونکر صدیق ہوں گے۔ یہ لقب ان کا اسلامی لقب نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کے کفار و مشرکین اس لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے انا عبد اللہ انا اخو رسول اللہ انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر (میں اللہ کا بندہ ہوں میں رسول کا بھائی ہیں صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو کوئی اپنے کو اس لقب سے مخصوص کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا۔)

مومن آلِ فرعون کے متعلق ہے ویکتم ایمانہ وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا گویا تقیہ اس کا دین تھا پس معلوم ہوا صدیق کا مذہب تقیہ ہوتا ہے۔ عیون میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر امت کے لئے ایک صدیق و فاروق ہوتا ہے اور اس امت کے صدیق و فاروق علی بن ابی طالب ہیں۔

امامت پر بہترین استدلال عقلی

ہشام سے روایت ہے کہ ایک روز عمرو بن عبید مسجد بصرہ میں آیا تو لوگ اُس کے گرد جمع ہو گئے اس نے امامت کے متعلق بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ رسول اللہ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔ ہشام نے آگے بڑھ کر کہا اے شخص میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اس نے کہا پوچھو یہ بولے میرا سوال کچھ احمقانہ ہے۔ اُس نے کہا کچھ پروا نہیں۔ ہشام نے کہا تیری آنکھ ہے کہا ہاں ہے۔ پوچھا اس سے کیا کام کرتا ہے کہا دیکھتا ہوں۔ پوچھا ناک ہے کہا ہاں ہے پوچھا اس سے کیا کام لیتا ہے کہا سونگھتا ہوں۔ پوچھا زبان ہے کہا ہے۔ پوچھا اس سے کیا کرتا ہے کہا کلام کرتا ہوں۔ پوچھا کان ہے کہا ہے پوچھا اس سے کیا کام لیتا ہے

کہا سنتا ہوں۔ پوچھا ہاتھ ہیں کہا ہیں پوچھا ان سے کیا کام لیتا ہے کہا چھوتا ہوں۔ پوچھا دل ہے کہا ہے پوچھا اس سے کیا کام لیتا ہے کہا ان چیزوں میں تمیز کرتا ہوں جن کو یہ حواس لاتے ہیں۔ کہا کیا ان اعضاء کو قلب سے استغنا حاصل نہیں۔ کہا نہیں۔ پوچھا کیوں نہیں یہ تو صحیح سلامت ہیں کہا جب کسی شئے میں از قسم چکھنے، چھونے، بو کرنے یا سننے کے شک واقع ہوتا ہے تو میں قلب کی طرف اس کو رد کرتا ہوں پس یقین حاصل ہو جاتا ہے اور شک سے نجات مل جاتی ہے۔ کہا تو خدا نے دل کو شک دور کرنے کے لئے بنایا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا اے شخص جب تیرے اعضاء کو بغیر امام کے نہیں چھوڑا تو اس دنیا کو وہ کیونکر حیرت و شک میں چھوڑ سکتا تھا۔ تیرے اعضا کے لئے تو وہ امام مقرر کرے کہ تو اس سے اپنے حیرت و شک کو دور کرے اور اس اتنی بڑی دنیا کو یوں ہی بے امام چھوڑ دے عقل میں آنے والی بات نہیں یہ سنتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔

خطبہ غدیر

ایہا النّاس اِنّ اللہ اَمرَنی اَن انصب لکم اِماماً یکونُ وصیّی فیکم وخلیفتی فِی اُمتّی وَفی اھلبیتی مِن بَعدی الّذی فرض اللہ علی المومنین فی کتابہ طاعتہ وَاَمرکم فیہ بولایتہ فرجعتُ ربّی خشیۃَ طعنِ اَھلِ النفاقِ وتکذیبھم فاوعدنی لابلّغھا اولیُعذبنی۔

ایہا النّاس اِنّ اللہ اَمرکم فِی کتابہ بالصّلوٰۃِ فقد بیّنتُھَا وفسّرتھا والزّکوٰۃِ والصّومِ والحج فبیّنتھا وفسّرتھا لکم وَاَمرکم فِی کتابہ بالولایۃ وانّی اشھدکم ایہا النّاس اِنّھا خاصۃٌ لعلی بن ابی طالب والاوصیاءِ مِن وُلدی وَوُلدِ اخی وصیّی علی اولھم ثمّ الحسَن ثمّ الحسین ثم تسعۃٌ من وُلدِ الحسین لا یفارقونَ الکتابَ حتیٰ یَرِدا علیَّ الحوض۔

ایہا النّاس اِنّی قَدْ اَعْلَمتکُم مفزعکم وامامکم بعدی وولیکم وھادِیکمُ وھو اخی علیّ بن ابی طالب وَھُو فیکم بمنزلتی فقلّدوہ دِینکم واطیعُوہ فِی جمیع اُمُورکم فانّ عندہٗ جمیع مَا علّمنی اللہ عزّوجلّ اَمرنی اللہ اَن اُعلّمہٗ ایاہٗ وَاُعْلمکُم انّہٗ عندہٗ فاسْئلوہٗ وتعلموا منہ ومِن اوصیاءہٖ بعدہٗ لا تُعلّمُوھم وَلا تتقدّموھم فانّھم اَعلمُ منکم انھم مع الحق والحق معھم۔

(لوگو مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے ایک امام مقرر کردوں جو تم پر میرا وصی ہو اور میری امت اور میرے اہلبیت میں میرے بعد میرا خلیفہ ہو۔ یہ وہ ہے جس کی اطاعت اللہ نے اپنی کتاب میں مومنین پر فرض کی ہے اور اس کی ولایت کے ماننے کا تم کو حکم دیا ہے۔ مجھے چونکہ منافقوں کی طعن و تکذیب کا ڈر تھا اس لئے اب تک یہ حکم نہ پہنچایا پس اللہ نے مجھے توعید کی ہے کہ اب در صورت نہ پہنچانے کے وہ مجھے عذاب کرے گا۔ لوگو اللہ نے اپنی کتاب میں تمہیں نماز کا حکم دیا پس میں نے اس کو تمہیں بتا دیا اور سمجھا دیا پھر زکوٰۃ، صوم، حج کا حکم دیا پس میں نے اسے بیان کر دیا اور سمجھا دیا۔ اور اس نے تمہیں اپنی کتاب میں ولایت کا حکم دیا پس لوگو! میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ حکم خاص کر علی بن ابی طالب اور ان اوصیاء کے بارہ میں ہے جو میری اور علی کی اولاد سے ہیں۔ اول

اُن اوصیا اور اولیا میں علیؑ ہیں پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر اولاد حسینؑ سے نو اور یہ کتاب اللہ سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔

لوگو! میں نے تم کو یہ بتا دیا کہ میرے بعد تمہارا امام و ولی و ہادی میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے اور وہ تم میں میری ہی طرح ہے پس امر دین میں تم اس کی اطاعت کرو اور تمام امور میں اُس کا حکم مانو۔ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اُسے تعلیم دیدوں اور تم کو یہ جتلا دوں کہ وہ اللہ کا بندہ ہے پس تم اُس سے پوچھو اور اُس سے سیکھو اور جو اس کے بعد اوصیا ہوں اُن سے پوچھو اور سیکھو اور ان کو تعلیم نہ دو اور ان سے آگے نہ بڑھو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے

علم امیر المومنین

جامع الاصول میں بروایت ترمذی منقول ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا اَنَا مَدِینَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاتِہٖ مِنْ بَابِہٖ ۔ بعض مخالفین کا خیال ہے یہ حدیث موضوع ہے بعض کہتے ہیں الفاظ اس حدیث کے یہ ہیں اَنَا مَدِینَۃُ الْعِلْمِ وَابُوبکرٍ اَساسُهَا وَعُمَرُ حِیطَانُهَا وَعُثمانُ سَقفُهَا وَعَلِیٌّ بَابُهَا اس سے مقصود یہ ہے کہ امیر المومنین پر ان لوگوں کی فضیلت ثابت کریں حالانکہ علم امیر المومنین سے ان لوگوں کو کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ رسول اللہ نے ان کو اس طرح تعلیم دی ہے جیسے کوئی طائر اپنے بچہ کو بھراتا ہے۔ ایک بار امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا آپ کو اس قدر احادیث کیونکر معلوم ہوئیں جو اصحاب رسول میں سے کسی کو معلوم نہیں فرمایا اِنِّی کُنْتُ اِذَا سَاَلْتُہٗ اَنْبَانِی وَاِذَا سَکَتُّ ابْتَدَاَنِی حضرت رسولخدا نے مجھے اس طرح تعلیم دی کہ جب میں نے پوچھا تو حضرت نے بتایا اور جب میں چپ رہا تو حضرت نے ابتدا کی اور بتایا۔

منقول ہے کہ جب حضرت رسولخدا نے حضرت علی کو یمن کی طرف بھیجنا چاہا تو آپ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے بھیج تو رہے ہیں حالانکہ میں جوان ہوں اور قضایا وہاں فیصل کرنے ہوں گے۔ نہ معلوم کیا صورت پیش آئے۔ یہ سنکر آپ نے امیر المومنین کے سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَثَبِّتْ لِسَانَہٗ (اے خدا اس کے دل کو ہدایت پر قائم رکھ اور زبان کو ہر لغزش سے بچا) امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے کبھی کسی قضیہ میں شک ہوا ہی نہیں۔

علی سیّد العرب ہیں

بیہقی نے فضائل الصحابہ میں لکھا ہے کہ ایک روز جو حضرت علی علیہ السلام حضرت رسولخدا کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا یہ سیّد العرب ہے حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ سیّد العرب نہیں فرمایا میں سیّد العالمین ہوں۔

اُولی الامر

جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ جب آیۂ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ

منکم نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے اللہ اور رسول کو تو پہچان لیا لیکن یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت اللہ نے آپ کی سی اطاعت قرار دی ہے فرمایا اے جابر وہ میرے خلفا ہیں اور میرے بعد ائمہ مسلمین ہیں اول ان کے علی بن ابی طالب پھر حسن پھر حسین پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی جن کا نام توریت میں باقر ہے اے جابر تم ان کو پاؤ گے جب ان سے ملاقات کرنا تو میرا سلام پہنچا دینا۔ پھر صادق جعفر بن محمد پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر میرا ہمنام اور میرا ہم کنیت خدا کی زمین میں اس کی حجت اور اس کے بندوں میں باقی رہنے والا ابن الحسن ابن علی۔ یہ وہ ہے جس کے ہاتھوں پر اللہ اپنے ذکر کو مشرق و مغرب میں پھیلائے گا۔ یہ وہ ہے جو اپنے شیعوں اور دوستوں سے غائب ہو جائے گا۔ اور اس کی امامت پر قائم نہ رہے گا مگر وہ شخص جس کے دل کو اللہ نے ایمان سے آزما لیا ہوگا۔ جابر نے کہا یا رسول اللہ کیا اس کی غیبت میں اُن کے شیعوں کو فائدہ پہنچے گا فرمایا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنایا لوگ اس کی ذات سے اُسی طرح نور حاصل کریں گے اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کی ولایت سے اسی طرح فائدہ پائیں گے جس طرح آفتاب سے اس وقت فائدہ حاصل کرتے ہیں جب وہ بادل میں چھپا ہوا ہو اے جابر یہ اللہ کا پوشیدہ راز ہے اسے ظاہر نہ کرنا مگر اہل پر۔

درخت طیبہ و درخت خبیثہ

قرآن مجید میں دو درختوں کا ذکر ہے اول درخت طیبہ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَھَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّھَا کیا تم نہیں دیکھتے اللہ کیسی مثالیں دیا کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی مثال اُس شجرۂ طیبہ کی ہے جس کی اصل تو زمین میں ثابت ہے اور فرع آسمان پر ہے ہر زمانہ میں اس کا پھل اذن خدا سے کھایا جاتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شجرۂ طیبہ کا وجود جس سے مراد درخت امامت ہے اور جو اللہ کا پاک کلمہ ہے ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے کوئی وقت اُس سے خالی نہ رہنا چاہیئے اور جس طرح درخت کی ایک شاخ کاٹ ڈالی جاتی ہے تو دوسری شاخ اس کی جگہ پر نکل آتی ہے یہی حال اس درخت کا ہے جب ایک امام کو قتل کیا گیا تو دوسرا اس کا قائم مقام بن گیا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہیگا افسوس ہے کہ لوگ اس پاک درخت سے روگردانی کر کے ایک خبیث درخت کو جا لپٹے جس کا قرآن میں یوں ذکر ہے فتھا فتوا علی شجرۃ خبیثۃ ناجتثت من فوق الارض مالھا من قرار لوگ اس خبیث پر جو خودرو درخت کی طرح زمین پر اُگ آیا ہے اور جس کو ثبات و قرار نہیں پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ یہ خبیث درخت وہی دشمنان اہلبیت کا ہے جس کی جڑ سقیفہ میں جمائی گئی تھی اور جو ہمیشہ بے ثباتی کی وجہ سے اکھڑتا اور جمتا رہا کبھی اجماع ہے تو کبھی وصیت کبھی شوریٰ ہے تو کبھی قہر و غلبہ غرضکہ کسی حالت پر اس کو قرار ہی نہ تھا دوسرے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پھل دار نہیں بلکہ کانٹوں دار ہے اگر اس میں پھل ہوتے تو شجرۂ طیبہ کی طرح اس کے پھلوں کا بھی ذکر ہوتا۔ افسوس اس شجر طیبہ کی بہت سی شاخیں کربلا میں ظالموں نے کاٹ ڈالیں اور ہمیشہ اس کی سایہ دار اور بار دار شاخوں کو دشمنانِ دین کاٹتے ہی رہے۔

کلمات سے مراد

آیۂ اذا ابتلیٰ ابراھیم ربّہٗ بکلماتٍ فَاَتَمَّھُنّ میں کلمات سے مراد حضراتِ ائمہ ہیں یعنی ان کی محبّت میں جناب ابراہیم کا امتحان لیا گیا یہی وہ کلمات ہیں جن کی مثال اوپر شجرۂ طیبہ سے دی گئی ہے۔ یہاں کلمات سے مراد وہی ہستیاں ہیں جن کا تعلق عالمِ امری سے ہے حضرت عیسیٰ جس طرح ایک کلمۂ خدا ہیں اسی طرح ہمارے ائمہ بھی کلماتِ اللہ ہیں۔ جس طرح شجر سے بہت سے فائدے انسان کو پہنچتے ہیں اسی طرح ان حضرات کی ذات سے بھی مختلف قسم کے فوائد خلق اللہ کو پہنچتے ہیں۔

کعبہ میں علیؑ کی بُت شکنی

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ روز فتح مکہ جب حضرت رسول خداؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ جا بجا بُت رکھے ہوئے ہیں پس آپ اپنے عصا سے ان کو مار مار کر گرانے لگے اور فرماتے جاتے تھے جاء الحق زھق الباطل اِنّ الباطلَ کان زھوقا۔ یہ کلمہ سنتے ہی ہر صنم اوندھا ہو جاتا تھا یہاں تک کہ حضرت نے سب کو گرا دیا صرف ایک بُت خزاعہ کا کعبہ کے اوپر باقی رہ گیا یہ زرد شیشہ کا تھا فرمایا یا علی اِسے بھی گرا دو۔ پھر حضرت نے علی کو اپنے کندھے پر سوار کیا اور اس کو بھی گروا دیا۔

احمد نے اپنی مسند میں جابر سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے سب سے بڑے بُت کو جس کا نام ہُبَل تھا گرانے کا قصد فرمایا تو علی علیہ السلام سے کہا یا تم میرے کندھے پر چڑھ کر اُسے گرا دو یا میں تمہارے شانہ پر چڑھ کر اسے گرا دوں۔ علی علیہ السلام نے عرض کی آپ ہی میرے شانہ پر سوار ہو جئے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں جب حضرت نے میرے شانہ پر قدم رکھا تو ثقلِ نبوت کی وجہ سے میں پریشان ہو گیا۔ اور اتنی طاقت مجھ میں نہ رہی کہ حرکت کر سکوں۔ رسول اللہ یہ دیکھ کر مسکرا دیئے اور اپنا پائے مبارک میرے شانہ پر سے ہٹا لیا۔ پھر مجھ کو اپنے شانوں پر بلند کیا۔ خدا کی قسم میں اپنے کو اتنا بلند پاتا تھا کہ اگر چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا پس میں نے ہُبَل کو اس کے مقام سے گرا دیا۔ اس کے بعد میں نے میزابِ کعبہ کے نزدیک سے اپنے کو نیچے گرا دیا لیکن میرے ذرا چوٹ نہ آئی میں ہنسا حضرت رسول خداؐ نے دریافت فرمایا کیوں ہنسے۔ میں نے عرض کی میں نے اپنے کو اتنی بلندی پر سے نیچے ڈالا لیکن مجھے کوئی صدمہ نہ پہنچا فرمایا اے علی ایسا کیوں ہوتا جبکہ محمد تمہارا اٹھانے والا تھا اور جبرئیل تمہارا اتارنے والا۔

رسول اللہ کے شانہ پر سوار ہونا معمولی بات نہ تھی بلکہ ایک بہت بڑا مرتبہ تھا کیونکہ شانۂ رسول عرش و کرسی سے اُسی طرح اشرف ہے جس طرح ہمارے نبی اشرف عالم علوی و سفلی ہیں اگر کوئی نبی انبیا میں سے آنحضرت کے سامنے ہوتا تو حضرت کے دونوں قدم پر بوسہ دیتا اور اگر آنحضرت آسمان پر جاتے تو بیشتر خدا محترم ہوتے۔ پس ایسی حالت میں کیونکر اعلیٰ مرتبہ نہ ہو گا اس شخص کا جس نے اُن کے کندھے پر قدم رکھا ہو گا۔ اسی وجہ سے امیر المومنین نے فرمایا اگر میں چاہوں تو آسمان کو چھو لوں۔

اس میں شک نہیں کہ تمام اعضائے نبی اور بالخصوص شانۂ شریفہ محلّ شرافت و عظمت تھا اسی لئے خدا نے اس کو خاتم نبوت

کے لئے مخصوص کیا اور پھر علی کو یہ شرف دیا کہ ان کا قدم اس مقدس اور مبارک مقام کو مس کرے۔ پس کیا یہ دلیل فضیلت امیر المومنین نہیں۔ نیز یہ کہ خاتم رسالت یا مہر نبوت کی یہ شان تھی کہ ہر شخص اس کو مس نہیں کر سکتا تھا یعنی ہاتھ سے بھی چھونے کی اجازت نہ تھی پس جس کے پیر نے اس کو مس کیا اس کی فضیلت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

اس واقعہ سے چند فضیلتیں امیر المومنین علیہ السلام کی ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) علی علیہ السلام کی شارکت رسول اللہ کے ساتھ کسر اصنام میں اور اس میں شک نہیں کہ حضرت کا یہ فعل بہترین فعل تھا پس اس میں شارکت انتہائے جلالت شان کا اظہار کرتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا کا اس کام میں شریک کرنا ایسا ہی تھا جیسے حضرت موسیٰ کا اپنے کار نبوت میں جناب ہارون کو شریک کرنا۔

(۲) رسول نے خدا سے دعا کی تھی واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا لہٰذا خدا نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایک زبردست مددگار عطا کیا جس نے کسر اصنام میں رسول کی مدد کی۔

(۳) سطح البیت پر عروج۔ کعبہ بیت اللہ ہے اور عند اللہ اشرف اماکن ہے اور اس کی جگہ تمام مواضع سے اعلیٰ ہے۔ پس ایسے مکان شریف پر عروج اور وہ بھی اذنِ رسول سے اور شانۂ رسول پر کیونکر موجب فضیلت نہ ہوگا۔ جس طرح عروج الی السماء شرفِ عارج پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ یہ شرف حضرت ادریس کو خدا نے بخشا ورفعناہ مکاناً علیاً پس اسی طرح عروج علی پر شانۂ رسول علو مرتبت کی دلیل ہے۔ فضیلت ابوبکر کا فضیلت علی سے کیا مقابلہ کیونکہ وہ نبی کے نیچے تھے اور علی اوپر اور بہت فرق ہے صعود و ہبوط اور عروج و نزول میں۔

(۴) کسر اصنام بجائے خود ایک امر عظیم ہے کیونکہ یہ دین کی وہ اعلیٰ خدمت تھی جس سے کفار کی ناکیں زمین پر رگڑی گئیں یہ تاسی تھی بانی کعبہ جناب ابراہیم خلیل اللہ کی بلکہ ایک صورت سے فضیلت کی کیونکہ حضرت ابراہیم نے خفیہ طریق سے بت شکنی کی تھی اور حضرت علی نے اعلان کے ساتھ۔

محاکمہ حجر اسود

ایک روز جناب محمد حنفیہ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور فرمایا میں تمہارا چچا ہوں اور عمر میں تم سے بڑا ہوں لہٰذا تم جناب رسولخدا اور علی مرتضیٰ کے تبرکات مجھے دے دو کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد امامت میرا حق ہے حضرت نے فرمایا اس کا فیصلہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ امام برحق کون ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ہم اس کے متعلق حجر اسود سے دریافت کریں۔ چنانچہ دونوں بزرگوار خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ امام علیہ السلام نے کچھ اسمائے الٰہی پڑھ کر حجر اسود سے فرمایا تو بتا امام حسین علیہ السلام کے بعد امام برحق کون ہے۔ اس سے آواز آئی اے محمد حنفیہ! امامت علی بن الحسین کا حق ہے امور دین میں آپ پر ان کی پیروی واجب ہے۔ (عمدۃ المطالب صفحہ ۱۴۴)

تبرکاتِ رسول کا حقدار

ایک روز عباس بن عبدالمطلب نے امیرالمومنین علیہ السلام سے کہا میں خاندان بنی ہاشم میں سب سے زیادہ بزرگ ہوں لہذا تبرکاتِ رسول مجھے ملنے چاہئیں۔ حضرت نے فرمایا آپ مسجد میں چلئے میں تبرکات وہیں لے کر آتا ہوں اگر آپ ان کے حقدار ہیں تو آپ ہی لے لیجئے۔ چنانچہ آپ نے جملہ تبرکات اپنے ہمراہ لئے اور مع حسنین علیہما السلام مسجد رسول میں پہنچے اور عباس سے کہا یہ تبرکات حاضر ہیں لیکن جس طرح میں کہوں اُس طرح لیجئے۔ پوچھا بھلا کیسے؟ فرمایا عمامہ رسول پر رکھئے زرہ رسول بر میں پہنئے، شمشیر رسول حمائل کیجئے اور فرش مسجد سے اٹھ کھڑے ہو جیئے اور اسپ رسول پر سوار ہو کر لے جایئے۔ عباس خوش ہو کر کہنے لگے لائیے میں بہت خوشی سے اس کام کو انجام دوں گا۔ پس عمامہ رسول سر پر رکھا جسم میں زرہ پہنی کمر میں تلوار لٹکائی اب جو فرشِ مسجد سے اُٹھنا چاہا تو بدن اتنا وزنی معلوم ہوا کہ اُٹھ نہ سکے۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا اچھا عمامہ کو اتار دیجئے لیکن وہ پھر بھی نہ اُٹھ سکے پھر زرہ اتار کر اُٹھنا چاہا تو بھی ممکن نہ ہوا۔ تب امیرالمومنین علیہ السلام نے کہا دیکھئے اگر آپ ان چیزوں کے مستحق ہوتے تو ضرور ان کو اٹھا سکتے۔ عباس نے کہا اے علی میں جب مانوں گا کہ تم بھی اسی طرح کر کے دکھاؤ۔ فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ پس آپ نے عمامہ رسول سر پر رکھا زرہ بر میں پہنی تلوار حمائل کی اور صاف فرش سے اُٹھ کھڑے ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد واپس آ کر آپ نے عباس سے فرمایا ان تبرکات کا وارث صرف میں ہی نہیں ہوں بلکہ میرے دونوں بچے بھی ہیں۔ امام حسن علیہ السلام سے فرمایا آؤ بیٹا اب تم بھی دکھاؤ کہ اپنے نانا کے تبرکات کے وارث ہو۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام نے عمامہ رسول سر پر رکھا عمامہ بڑا تھا مگر وہ باعجاز سمٹ کر شہزادے کے سر کی برابر ہو گیا۔ پھر زرہ پہنی تو وہ بھی کھنچ کر آپ کے جسم کے مناسب ہو گئی۔ پھر تلوار باندھی تو وہ بھی چھوٹی ہو گئی۔ حضرت علی نے فرمایا بیٹا اب اٹھو اور اپنے نانا کے گھوڑے پر سوار ہو کر بھی دکھاؤ۔ یہ سنتے ہی امام حسن اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کا نمبر آیا آپ بھی مع جملہ تبرکات رسالت کے اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ معروف عاشور بھی تبرکات آپ کے جسم مبارک پر تھے لیکن آہ ان کا کوئی قدردان نہ تھا۔

کفر و اسلام میں رشتہ نہیں ہوتا

ایک بار ابوسفیان بحالتِ کفر اپنی بیٹی اُمّ المومنین اُمّ حبیبہ سے ملنے کے لئے مدینہ میں آیا آپ اس وقت بستر رسول پر بیٹھی ہوئی تھیں اُسے آتا دیکھ کر فوراً بستر کو لپیٹ دیا۔ ابوسفیان کو برا معلوم ہوا۔ کہنے لگا اے بیٹی تیرے لئے یہ سزاوار نہ تھا فرمایا تم کافر ہو اور نجس ہو ایسی حالت میں بستر رسول پر کیسے بٹھا سکتی تھی۔ اس نے کہا تو میری بیٹی ہو کر ایسا کہتی ہے فرمایا اسلام و کفر میں کوئی روحانی رشتہ نہیں۔

امام زین العابدینؓ کا خضوع وخشوع

ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی آپ اس وقت سجدہ میں تھے لوگ آگ آگ کا غل مچانے لگے حضرتؓ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھا دی گئی۔ کسی نے کہا آپ کو آگ لگنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ ایسا غافل آپ کو کس چیز نے بنایا فرمایا آخرت کی آگ نے۔

رسولؐ کی غریب نوازی

مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترا تھا اس پر بہت سے نگھرے غریب مسلمان بیٹھے رہتے تھے جو فقرائے صُفّہ کہلاتے تھے ان کا لباس پارہ پارہ تھا بدن سے پسینہ کی بو آتی تھی خاک پر لوٹنے کی وجہ سے تمام جسم گرد آلود تھا۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر ہر روز بلاناغہ ان کے پاس بیٹھتے تھے اور احوال پرسی فرماتے تھے ایک روز ایک فقیر اس خیال سے کہ اس کے بدن اور لباس سے پسینہ کی بو آ رہی ہے ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا آپ نے اس کا سبب پوچھا اس نے صحیح صحیح بات بیان کر دی آپ نے اُس کا زانو اپنی طرف کھینچ کر اور اس سے قریب ہو کر فرمایا بھائی شرم نہ کرو فقیر فقیر کے پاس بیٹھتا ہے۔

ایک دلچسپ حکایت

ایک روز حضرت رسولِ خداؐ فقرائے صُفّہ کے پاس خاک پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک امیر کبیر آپ سے ملنے کے لئے آیا اور اس غریب آدمی سے جو آپ کے قریب بیٹھا تھا ذرا بچ کر بیٹھنے لگا۔ حضرتؐ کو یہ بات ناگوار ہوئی فرمایا اے شخص کیا اس کی غریبی تجھے لگ جاتی کہ اتنا بچ کر بیٹھا۔ یہ سنکر وہ شخص اتنا متاثر ہوا کہ رونے لگا اور عرض کی یا رسول اللہ میں اپنی اس گستاخی کے بدلہ میں اپنی نصف دولت اس غریب بھائی کو دیتا ہوں۔ اُس غریب نے یہ سنکر کہا یا رسول اللہ مجھے یہ منظور نہیں یہ اپنی آدھی بلا میرے سر پر ڈالنی چاہتا ہے جس دولت نے اسے مغرور بنا کر اس حد کو پہنچا دیا ہے وہ بھلا مجھے کب چھوڑے گی۔ میری فقیری مجھے مبارک اس کی امیری اسے مبارک۔ یہ سنکر اُس نے اپنی ساری دولت راہِ خدا میں لٹا دی اور فقیر ہو کر بیٹھ گیا۔

دربار رسالت کی انوکھی شان

جب آنحضرتؐ نے بادشاہِ روم کو دعوتِ اسلام دی تو اس نے تحقیق حال کے لئے دس چیدہ چیدہ آدمی بھیجے۔ یہ زرق برق لباس سے آراستہ تھے جواہرات سے مزین تھے قیمتی گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب بڑی شان وشوکت کے ساتھ مدینہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھنے لگے بادشاہِ اسلام کی بارگاہ کس طرف ہے۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ اتفاقاً وہاں موجود تھے کہنے لگے

آؤ میں لے چلوں وہ لوگ آپ کے ساتھ ساتھ چلے۔ جناب جابر نے ایک ایسے دروازہ کے سامنے جا کر کھڑا کر دیا جس پر ایک کمبل کا پردہ پڑا ہوا تھا اور در و دیوار سے غربت برستی تھی۔ انہوں نے کہا اے شخص قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تو کوئی دیوانہ آدمی ہے ہم جانا چاہتے ہیں شہنشاہِ اسلام کے دربار میں اور تو نے لا کھڑا کیا ایک مفلوک الحال انسان کے دروازہ پر۔ جناب جابر نے فرمایا مسلمانوں کے شہنشاہ دین و دنیا کے تاجدار کی بارگاہ عالی یہی ہے۔ یہ سنکر وہ لوگ ہنس پڑے اور نہایت بے پروائی کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہونا چاہا۔ جناب جابر نے آگے بڑھ کر ان کو روکا اور فرمایا خبردار بے اجازت داخل ہونے کا ارادہ نہ کرنا یہ معمولی آدمی کا گھر نہیں بارگاہِ رسالت ہے اس پر وہ اور بھی ہنسے اور کہنے لگے اچھا جاؤ اجازت حاصل کرو۔

جناب جابر داخلِ بارگاہ نبوت ہوئے اور عرض کی حضور روم کے چند سفیر آئے ہیں اگر اجازت ہو تو اندر داخل کیا جائے اس وقت آپ اپنے اصحاب کے حلقہ میں اس طرح خاک پر بیٹھے تھے جس طرح ستاروں کے بیچ میں چاند۔ حضرت نے اجازت باریابی عطا فرمائی جابر ان کو لے کر اندر داخل ہوئے۔ اب جو ان کی نظر آفتاب رسالت پر پڑی تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کچھ ایسا رعب چھایا کہ بات کرنی چاہتے تھے مگر زبان یارانہ دیتی تھی۔ جب کچھ دیر اسی طرح خاموش کھڑے رہے تو حضور نے گردن اٹھا کر فرمایا اذنِ گفتار ہے جو کہنا چاہتے ہو کہو انہوں نے عرض کی اے تاجدار رسالت قیصر و کسریٰ کے درباروں کی شان بڑے بڑے سلاطین کے محلات کا تزک و احتشام ان آنکھوں نے دیکھا ہے مگر واللہ اُن درباروں کو اس دربار سے اور اُن سلاطین کو آپ جیسے تاجدار سے کوئی نسبت ہی نہیں وہ دنیوی جاہ و جلال ہے اور یہ خدائی رعب و داب ہے بے شک اپنے بنی نوع کا حاکم ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے جو خود فقیرانہ زندگی بسر کرے اور اپنی رعایا کو ہر قسم کی آسائش بہم پہنچائے۔ آپ نے فرمایا تم کس غرض سے آئے تھے۔ انہوں نے کہا وہ غرض تو اب پسِ پشت ڈال دی اب تو دل میں یہ ٹھانی ہے کہ بقیہ عمر انہی قدموں میں رہ کر گزار دیں۔ اب حضور سے یہ درخواست ہے کہ اپنے دین میں ہم کو لے لیجئے۔ پس آنحضرت نے کلمہ طیبہ پڑھا کر ان کو مسلمان کیا۔

بدی کا بدلہ نیکی سے

ایک حاجی مدینہ میں آیا اور مسجد نبوی میں پڑ کر سو گیا اس کے پاس ایک ہزار درہم تھے ان کو ایک پوشیدہ مقام پر رکھ کر سویا تھا جب بیدار ہوا تو وہ جگہ بھول گیا۔ جہاں اپنی تھیلی رکھی تھی۔ گھبرا کر ہر طرف ڈھونڈنے لگا اتفاقاً اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک گوشہ میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے۔ اس شخص کو گمان ہوا کہ وہ تھیلی آپ ہی نے لی ہے۔ پس آپ سے اس نے جھگڑا کرنا چاہا فرمایا اے شخص اس تھیلی میں تیرے کتنے درہم تھے کہا ایک ہزار یہ سنکر آپ وہاں سے اُٹھے اور بیت الشرف میں تشریف لائے۔ ایک ہزار درہم وہاں سے لے کر پھر مسجد میں واپس تشریف لائے اور اس سے فرمایا اے شخص اگر تیرا یہی گمان ہے کہ میں نے لئے ہیں تو یہ ایک ہزار درہم حاضر ہیں۔ اُس نے لے لئے۔ اس کے بعد اسے وہ جگہ یاد آئی جہاں تھیلی رکھی تھی اب جو وہاں پہنچا تو تھیلی موجود پائی اپنے دل میں سخت نادم ہوا اور حضرت کے پاس آ کر وہ دینار واپس کرنے چاہے۔ آپ نے فرمایا اے شخص ہم اہلبیتِ رسول ہیں دیکر

واپس نہیں لیا کرتے۔ وہ مرد اجنبی آپ کی یہ عالی ہمتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام مصادف نامی کو کچھ مال تجارت دے کر ایک قافلہ کے ساتھ مصر بھیجا جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو جنس یہ لوگ بغرض تجارت لے گئے ہیں، مصر میں کمیاب ہے پس ان سب نے صلاح کی کہ اس کو بہت گراں قیمت پر فروخت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور امید سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوا۔ مصادف کے حصہ میں بھی ایک کثیر رقم منافع کی آئی جب وہ واپس آیا تو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کل واقعہ بیان کیا حضرت یہ سنکر بہت ناخوش ہوئے اور ایک حبہ بھی اس منافع میں سے نہ لیا اور فرمایا سبحان اللہ مسلمانوں کے ساتھ اور یہ بے مروتی۔ تم نے مناسب قیمت سے زیادہ پر کیوں فروخت کیا اے مصادف تلوار کی دھار پر چلنا حلال روزی حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے مسلمانوں کو اپنی تجارت میں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اللہ اللہ جن بزرگواروں کو حقوق مسلمین کا اس حد تک لحاظ تھا بدبخت مسلمانوں نے انہی کے گلے ہمیشہ کاٹے اور انہی سے ہمیشہ عداوت رکھی۔

نیکی نما بدی

ایک روز ایک واعظ حقوق الناس کے متعلق سرراہ ایک بھرے مجمع میں نہایت موثر وعظ کر رہا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی وہاں تشریف فرما تھے جب وہ شخص تقریر کرنے کے بعد وہاں سے چلا تو آپ بھی اس خیال سے اس کے پیچھے چلے کہ یہ معلوم کریں وہ کون ہے۔ ناگاہ وہ شخص ایک نان پز کی دوکان پر کھڑا ہو کر اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا جوں ہی اس کی آنکھ بچی فوراً دو روٹیاں چرا کر جیب میں رکھ لیں۔ امام علیہ السلام کو سخت تعجب ہوا کہ یہ کس قسم کا آدمی ہے۔ وہاں سے وہ شخص آگے بڑھا اور ایک میوہ فروش کی دوکان پر پہنچا اسے بھی باتوں میں لگا کر دو انار چرا لئے وہاں سے آگے چل کر ایک دوکان پر سے چند خرمے اُچک لئے۔ امام علیہ السلام متعجبانہ حالت سے اس کے پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے تا اینکہ شہر سے باہر نکل کر وہ ایک خرابہ میں پہنچا وہاں ایک اندھا اپاہج پڑا ہوا تھا وہ سب چیزیں اس کو جا کر دے دیں جب وہاں سے چلا تو امام علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے شخص تیری حالت نے مجھے سخت تعجب میں ڈالا ہے کبھی تو واعظ بنتا ہے اور کبھی چور اور اچکا۔ اس نے کہا آپ نے میرے معاملہ پر غور نہیں کیا۔ ذرا آپ میری نیکیوں اور بدیوں کا حساب تو کریں میں نے دو روٹیاں چرائیں دو گناہ کئے دو انار چرائے دو گناہ کئے۔ چار خرمے چرائے چار گناہ کئے یہ سب آٹھ گناہ ہوئے۔ اب ذرا نیکیوں کا شمار کیجیئے۔ میں نے ایک محتاج اپاہج کو یہ آٹھوں چیزیں دیدیں گویا آٹھ نیکیاں کیں اور خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملتا ہے پس اس حساب سے میری اسی نیکیاں ہوئیں ان میں سے آٹھ بدیاں خارج کر دیجئے۔ بہتر بچ رہیں۔ حضرت نے فرمایا اے شخص تو بالکل جاہل ہے

تو نے نیکی تو ایک بھی نہیں کی۔ اگر تو اپنے مال سے اُس محتاج کو دیتا تب تو نیکی ہوتی۔ پرایا مال لٹانے والا تو کون۔
سچ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے قرآن کو اہلبیت سے نہیں لیا وہ اسی طرح گمراہ ہوئے ہیں۔

مختصر حالات حضرت رسول خداؐ

اسم مبارک	محمد۔ طٰہٰ۔ احمد۔ یٰسین
کنیت شریف	ابوالقاسم۔ ابو ابراہیم وغیرہ
لقب مبارک	مصطفیٰ۔ محمود۔ بشیر۔ نذیر وغیرہ
پدر بزرگوار	حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب
والدہ ماجدہ	آمنہ بنتِ وہب بن عبد مناف
روز ولادت	جمعہ بقولے دوشنبہ
تاریخ ولادت	۱۷ ربیع الاول بقولے بارہ
سال ولادت	عام الفیل سنہ ۵۶۹ء
مکان ولادت	شعب ابوطالب
بادشاہِ وقت	نوشیرواں عادل
عدد ازواج	پندرہ علاوہ کنیزوں کے
عدد اولاد	سات لڑکے اور لڑکیاں بقولے چار
مدتِ عمر	۶۳ سال
مدتِ نبوت	۲۳ سال ہجرت یکم ربیع الاول ۱۵ جولائی سنہ ۶۲۲ء
روز وفات	دوشنبہ
تاریخ وفات	۲۸ ماہ صفر
سال وفات	سنہ ۱۱ھ
مکانِ وفات	مدینۂ منورہ
سببِ وفات	یہودیہ خیبریہ کا زہر دینا
بادشاہِ وقت	ہرقلِ روم
مقام قبر	مدینۂ منورہ حجرہ طیبہ

مختصر حالات حضرت علی علیہ السلام

اسم مبارک	علی۔ حیدر۔ توریت میں ایلیا
کنیت	ابوالحسن۔ ابوالسبطین۔ ابوالائمہ
لقب	مرتضیٰ۔ امیرالمومنین۔ مشکلکشا
والد بزرگوار	عمران جن کی کنیت ابوطالب تھی
والدہ ماجدہ	فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف
روز ولادت	جمعہ
تاریخ ولادت	۱۳ رجب
سالِ ولادت	سنہ ۳۰ عام الفیل سنہ ۵۹۸ء
مکانِ ولادت	خانہ کعبہ
بادشاہ وقت	شہریار بقولے ہرمز
عدد ازواج	بعد حضرت فاطمہ دس علاوہ کنیزوں کے۔
عدد اولاد	۲۸۔ بقولے ۳۶
مدتِ عمر	۶۳ سال
مدتِ امامت و خلافت	۳۰ سال۔ خلافتِ ظاہری ۵ سال
روز وفات	یکشنبہ یا دوشنبہ
تاریخ وفات	۲۱ ماہ رمضان المبارک
سالِ وفات	سنہ ۴۰ھ
مکان وفات	مسجد کوفہ کے متصل اپنے گھر میں
سبب وفات	ضرب شمشیر ابن ملجم مرادی ملعون
بادشاہِ وقت	معاویہ بن ابوسفیان
مقام قبر	نجف اشرف

مختصر حالات حضرت فاطمہ زہرا

اسم مبارک	فاطمہ
کنیت	ام الائمہ۔ ام الحسنین۔ ام السبطین
لقب	زہرا۔ بتول۔ خیر النساء۔ صدیقہ
پدر بزرگوار	حضرت رسول خدا
والدہ ماجدہ	خدیجہ بنت خویلد
روز ولادت	جمعہ
تاریخ ولادت	بستم یا دہم
ماہ ولادت	جمادی الثانی
سال ولادت	۵ھ بعثت۔ ۴۵ھ عام الفیل
مکان ولادت	مکہ معظمہ
بادشاہ وقت	یزدجرد
شوہر	علی بن ابی طالب
عدد اولاد	پانچ
مدت عمر	۱۸ سال چند ماہ
مدت حیات بعد پیغمبر	تین ماہ کچھ روز بقولے پچھتر روز
روز وفات	دوشنبہ
تاریخ وفات	۳ر جمادی الثانی یا ۱۳ر جمادی الثانی
سال وفات	۱۱ھ
مکان وفات	مدینہ اپنے گھر میں پہلوئے مسجد رسول میں
سبب وفات	پہلو پر دشمنوں کا دروازہ گرانا
بادشاہ وقت	ابوبکر
مقام قبر	مدینۂ منورہ۔ جنت البقیع

مختصر حالات امام حسن علیہ السلام

اسم مبارک	حسن۔ شبر
کنیت	ابو محمد
لقب	سید۔ سبط۔ زکی۔ مجتبیٰ
والد	حضرت علی
والدہ	حضرت فاطمہ
روز ولادت	سہ شنبہ
تاریخ ولادت	۱۵ر
ماہ ولادت	ماہ رمضان
سال ولادت	۳ھ
مکان ولادت	مدینۂ منورہ
بادشاہ وقت	یزدجرد یا ہرمز
عدد ازواج	۱۵
عدد اولاد	
مدت عمر	۴۷ سال
مدت امامت	دس سال۔ خلافت ظاہری چار ماہ تین روز
روز وفات	پنجشنبہ
تاریخ وفات	۲۸ر ماہ صفر
سال وفات	۴۹ھ یا بقولے ۵۰ھ
مکان وفات	اپنا گھر پہلوئے مسجد رسول میں
سبب وفات	معاویہ کے اغوا سے جعدہ بنت اشعث کا زہر دینا
بادشاہ وقت	معاویہ
مقام قبر	جنت البقیع

مختصر حالات امام حسین علیہ السلام

اسم مبارک	حسین - شبیر
کنیت	ابوعبداللہ - ابوالائمہ - ابوالمساکین
لقب	سید الشہدا - شہید - مظلوم
والد	حضرت علی علیہ السلام
والدہ	حضرت فاطمہ علیہ السلام
روز ولادت	پنجشنبہ یا سہ شنبہ
تاریخ ولادت	۳ر یا ۵ر
ماہ ولادت	شعبان
سال ولادت	۴ھ
مکان ولادت	مدینۂ طیبہ
بادشاہِ وقت	یزدجرد یا ہرمز
عدد ازواج	پانچ علاوہ کنیزوں کے
عدد اولاد	چھ بقولے دس
مدت عمر	۵۷ سال
مدت امامت	دس سال
روز وفات	جمعہ یا شنبہ
تاریخ وفات	۱۰ر ماہ محرم یا ۱۰ر اکتوبر
سال وفات	۶۱ھ یا ۶۸۰ء
سبب وفات	یزید ملعون کی خاندانِ رسول سے عداوت - شمر ملعون نے شہید کیا
بادشاہ وقت	یزید بن معاویہ
مقام قبر	کربلائے معلّٰی

مختصر حالات امام زین العابدین علیہ السلام

اسم مبارک	علی
کنیت	ابومحمد - ابوالحسن - ابوالقاسم
لقب	زین العابدین - سجاد
والد	امام حسین علیہ السلام
والدہ	شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار
روز ولادت	پنجشنبہ یا جمعہ
تاریخ ولادت	۱۵ر یا ۹ر
ماہ ولادت	جمادی الاول یا جمادی الثانی
سال ولادت	۳۶ھ یا ۳۷ھ
مکانِ ولادت	مدینۂ منورہ
بادشاہِ وقت	امیر المومنین علیہ السلام
عدد ازواج	۲
عدد اولاد	۱۵ یا ۲۰
مدت عمر	۵۷ یا ۵۸ سال
مدت امامت	۳۴ سال
روز وفات	شنبہ یا دوشنبہ
تاریخ وفات	۲۵ر یا ۲۶ر محرم
سال وفات	۹۴ھ یا ۹۵ھ
مکانِ وفات	مدینہ منورہ
سبب وفات	ولید بن عبدالملک کا زہر دینا
بادشاہ وقت	ولید بن عبدالملک بن مروان
مقام قبر	جنت البقیع قبر امام حسن کے قریب

مختصر حالات امام محمد باقر علیہ السلام

اسم مبارک	محمد
کنیت	ابوجعفر
لقب	باقر۔ شاکر۔ ہادی
والد	علی بن الحسین علیہ السلام
والدہ	فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام
روز ولادت	جمعہ یا دوشنبہ
تاریخ ولادت	یکم یا سوم
ماہ ولادت	رجب
سالِ ولادت	۵۷ھ
مکانِ ولادت	مدینہ منورہ
بادشاہ وقت	معاویہ
عدد ازواج	دو
عدد اولاد	سات
مدت عمر	۵۷ سال یا ۵۹ سال
مدتِ امامت	۱۹ سال یا ۲۰ سال
روز وفات	دوشنبہ
تاریخ وفات	ساتویں
ماہ وفات	ذی الحجہ
سال وفات	۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ
مکان وفات	مدینہ منورہ
سبب وفات	ہشام بن عبد الملک کا زہر دینا
بادشاہ وقت	ہشام
مقام قبر	جنت البقیع

مختصر حالات امام جعفر صادق علیہ السلام

اسم مبارک	جعفر
کنیت	ابوعبداللہ۔ ابواسمٰعیل۔ ابوموسیٰ
لقب	صادق
والد	امام محمد باقر علیہ السلام
والدہ	اُمّ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر
روز ولادت	دوشنبہ یا جمعہ
تاریخ ولادت	سترھویں
ماہ ولادت	ربیع الاول
سال ولادت	۸۳ھ
مکانِ ولادت	مدینہ منورہ
بادشاہ وقت	عبد الملک بن مروان
عدد ازواج	ایک فاطمہ بنتِ حسین الاثرم
عدد اولاد	
مدت عمر	۶۳ یا ۶۵ سال
مدتِ امامت	۳۲ یا ۳۴ سال
روز وفات	دوشنبہ
تاریخ وفات	پندرہویں
ماہ وفات	رجب یا شوال
سال وفات	۱۴۸ھ
مکان وفات	مدینہ منورہ
سبب وفات	منصور کا زہر دینا
بادشاہ وقت	منصور عباسی
مقام قبر	جنت البقیع

مختصر حالات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

اسم مبارک	موسیٰ
کنیت	
لقب	کاظم
والد	امام جعفر صادق علیہ السلام
والدہ	حمیدہ بربریہ
روز ولادت	یکشنبہ
تاریخ ولادت	ساتویں
ماہ ولادت	صفر
سالِ ولادت	۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ
مکان ولادت	ابواء
بادشاہِ وقت	ابراہیم بن ولید
عدد ازواج	کنیزوں کے سوا کوئی بی بی نہ تھیں
عدد اولاد	۳۷
مدت عمر	۵۴ سال
مدت امامت	۳۵ سال
روز وفات	جمعہ
تاریخ وفات	پچیسویں
ماہ وفات	رجب
سال وفات	۱۸۳ھ
مکانِ وفات	بغداد کہنہ قید خانہ شاہک سندی
سبب وفات	ہارون الرشید کا زہر دینا
بادشاہِ وقت	ہارون رشید عباسی
مقام قبر	مقابر قریش کاظمین میں

مختصر حالات امام رضا علیہ السلام

اسم مبارک	علی
کنیت	ابوالحسن
لقب	رضا
والد	امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
والدہ	نجمہ جن کو خیزران بھی کہتے ہیں
روز ولادت	جمعرات یا جمعہ
تاریخ ولادت	گیارہویں
ماہ ولادت	ذیقعدہ یا ذی الحجہ
سالِ ولادت	۱۴۸ھ یا ۱۵۳ھ
مکانِ ولادت	مدینہ منورہ
بادشاہِ وقت	منصور دوانقی
عدد ازواج	ایک ام حبیبہ دختر مامون
عدد اولاد	ایک بعض کے نزدیک چھ
مدت عمر	۵۵ سال
مدت امامت	۲۰ سال چار ماہ
روز وفات	سہ شنبہ
تاریخ وفات	سترھویں یا چودہویں
ماہ وفات	صفر یا بقولے ۲۱ر رمضان
سالِ وفات	۲۰۲ھ یا ۲۰۳ھ
مکانِ وفات	اپنے گھر طوس میں
سببِ وفات	مامونِ عباسی کا زہر دینا
بادشاہِ وقت	مامون عباسی
مقام قبر	مشہد مقدس

مختصر حالات امام محمد تقی علیہ السلام

اسم مبارک	محمد
کنیت	ابوجعفر
لقب	تقی ۔ جواد
والد	امام رضا علیہ السلام
والدہ	سبیکہ خاتون ۔ ریحانہ خاتون
روز ولادت	جمعہ
تاریخ ولادت	پندرھویں
ماہ ولادت	رمضان یا بقولے ۱۰ر رجب
سالِ ولادت	۱۹۵ھ
مکانِ ولادت	مدینہ منورہ
بادشاہِ وقت	امین بن ہارون
عدد ازواج	ایک ۔ ام الفضل دختر مامون
عدد اولاد	۷ یا ۱۱
مدتِ عمر	۲۵ سال
مدتِ امامت	۱۸ سال
روز وفات	سہ شنبہ یا شنبہ
تاریخ وفات	ذیقعدہ
سال وفات	۲۲۰ھ
مکانِ وفات	کاظمین
سببِ وفات	معتصم عباسی کا زہر دینا
بادشاہِ وقت	معتصم
مقام قبر	کاظمین

مختصر حالات امام علی نقی علیہ السلام

اسم مبارک	علی
کنیت	ابوالحسن
لقب	نقی۔ ہادی
والد	امام محمد تقی علیہ السلام
والدہ	سمانہ مغربیہ
روز ولادت	جمعہ
تاریخ ولادت	پندرھویں
ماہ ولادت	ذی الحجہ بقولے ۲ر رجب
سال ولادت	سنہ ۲۱۲ھ
مکانِ ولادت	صریا گاؤں قریب مدینہ
بادشاہِ وقت	مامون
عدد ازواج	کنیزیں
عدد اولاد	۵
مدت عمر	۴۱ سال
مدت امامت	۳۳ سال
روز وفات	شنبہ
تاریخ وفات	تیسری
ماہ وفات	رجب
سالِ وفات	سنہ ۲۵۴ھ
مکان وفات	اپنا گھر سر من رائے میں
سبب وفات	معتمد عباسی کا زہر دینا
مقام قبر	اپنا گھر سر من رائے میں

مختصر حالات امام حسن عسکری علیہ السلام

اسم مبارک	حسن
کنیت	ابو محمد
لقب	عسکری
والد	امام علی نقی علیہ السلام
والدہ	سوسن خاتون
روز ولادت	جمعہ یا دوشنبہ
تاریخ ولادت	آٹھویں یا چوتھی
ماہ ولادت	ربیع الثانی
سال ولادت	سنہ ۱۳۱ھ یا سنہ ۱۳۲ھ
مکان ولادت	مدینہ منورہ
بادشاہِ وقت	واثق بن معتصم
عدد ازواج	کنیزیں
عدد اولاد	ایک حضرت صاحب العصر علیہ السلام
مدتِ عمر	۲۸ سال
مدتِ امامت	چھ سال
روز وفات	جمعہ یا چہارشنبہ
تاریخ وفات	آٹھویں یا دسویں
ماہ وفات	ربیع الاول
سال وفات	سنہ ۲۶۰ھ
مکان وفات	اپنا گھر سر من رائے میں
سبب وفات	معتمد کا زہر دینا
مقام قبر	سامرہ

مختصر حالات امام مہدی علیہ السلام

اسم مبارک	احمد
کنیت	ابوالقاسم۔ ابوعبداللہ
لقب	قائم۔ حجت۔ مہدی۔ صاحب
والد	امام حسن عسکری علیہ السلام
والدہ	جناب نرجس خاتون
روز ولادت	جمعہ
تاریخ ولادت	پندرھویں
ماہ ولادت	شعبان
سال ولادت	سنہ ۲۵۶ھ
مکانِ ولادت	سامرہ
بادشاہ وقت	معتمد عباسی
عدد ازواج	ایک
عدد اولاد	خدا بہتر جانتا ہے
مدت عمر وقت غیبت صغریٰ	پانچ سال
عمر وقت غیبت کبریٰ	۴۷ سال
روز غیبتِ صغریٰ	جمعہ
تاریخ غیبت	پندرھویں
ماہ غیبت	شعبان سنہ ۲۶۱ھ
سال غیبتِ کبریٰ	سنہ ۳۲۷ھ
مکان غیبت	سردابہ۔ سامرہ
بادشاہ وقت	معتمد بن متوکل
مدت غیبت صغریٰ	۷۰ سال